ختمِ نبوّت کے دو مفہوم

اور

تکمیلِ رسالت کے عملی تقاضے

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

105
-12

ختم نبوّت کے دو مفہوم
اور
تکمیل رسالت کے عملی تقاضے

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

ذیلی عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیلِ رسالت کے عملی تقاضے'' کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا زیرنظر خطاب ۲۳/جون ۲۰۰۲ء کو لاہور کے الحمرا ہال نمبر 1 میں ہوا' سامعین کی کثرتِ تعداد کے باعث یہ وسیع و عریض شاندار ہال اپنی تمامتر وسعت کے باوجود تنگ دامانی پر شکوہ سنج نظر آتا تھا۔ امیر تنظیم کا یہ مفصل خطاب قریباً دو گھنٹوں پر محیط تھا۔ (مرتب)

خطبہ مسنونہ' قرآنی آیات کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

معزز حاضرین اور محترم خواتین! آپ کے علم میں ہے کہ آج ہماری گفتگو کا عنوان اور موضوع نہایت اہم بھی ہے اور کسی قدر طوالت طلب بھی۔ آج کی اس نشست کے لئے جو ہینڈ بل شائع ہوا ہے اس میں مَیں نے ذیلی عنوانات بھی معین کر دیئے ہیں تاکہ آپ کے سامنے بھی یہ رہے کہ آج کن کن موضوعات پر کن کن عنوانات کے تحت گفتگو ہونی ہے۔ وہ ذیلی عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

۱) ختم نبوت کے دو مفہوم
۲) ختم نبوت کے قانونی تقاضے
۳) تکمیل نبوت کے دو مظاہر
۴) ختم نبوت کے خلاف غلام احمد قادیانی کی دلیل اور اس کی تردید
۵) تکمیل رسالت کے دو مظاہر
۶) معراجِ انسانیت کا مظہر اَتم
۷) تکمیل رسالت کا منطقی تقاضا' جو ابھی تشنہ تکمیل ہے' اور اس ضمن میں اُمت کی ذمہ داری ____ اور اس اعتبار سے پاکستان اس وقت فیصلہ کن دوراہے پر۔

اور آخری عنوان ہوگا ''پس چہ باید کرد؟'' یعنی ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ عنوانات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ بات کافی طوالت طلب ہے۔ میں نے ان موضوعات پر علیحدہ علیحدہ گفتگوئیں مختلف مواقع پر کئی بار کی ہیں، اپنے خطاباتِ جمعہ اور خطاباتِ عام میں بھی ان موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے، لیکن ایک compact انداز میں اس پورے موضوع کو سمو لینے کی آج جو ہمت اور کوشش کر رہا ہوں اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رہا ہوں کہ وہ ہمت اور توفیق دے کہ میں ان تمام موضوعات کو آج ایک حیاتیاتی وحدت (organic whole) میں سمو کر آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ اور یہ اسی طریقے سے ممکن ہوگا کہ نہ تو بہت زیادہ تفاصیل میں جایا جائے اور نہ ہی خطابت کا انداز اختیار کیا جائے بلکہ سائنٹیفک انداز میں جیسے یہ عنوانات مرتب ہو گئے ہیں اسی انداز میں ان کی وضاحت کی جائے۔

ختم نبوت کے دو مفہوم

اب آئیے سب سے پہلی بات کی طرف۔ ختم نبوت کے یہ دو مفہوم کیا ہیں، اس کو آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہماری اپنی زبان اردو میں بھی ختم کے دو مفہوم ہیں۔ مثلاً ''پیسے ختم ہو گئے'' یعنی پہلے پیسے تھے اب نہیں رہے۔ کسی شے کا پہلے وجود تھا، اب نہیں ہے۔ یا پنجابی میں کوئی کہے کہ ''دانے مک گئے'' یعنی پہلے گندم یا کوئی اور جنس تھی، اب نہیں ہے۔ یہ ختم نبوت کا ایک مفہوم ہے کہ وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلی آ رہی تھی (اس لئے کہ پہلے نبی حضرت آدمؑ تھے) وہ ختم ہو گئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں۔ لیکن ختم کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے۔ آپ کو معلوم ہے سکول کا طالب علم کہتا ہے: ''میں نے اپنا ہوم ورک ختم کر لیا''۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنا کام مکمل کر لیا، پورا کر لیا۔ ختم کا یہ دوسرا مفہوم ہے جس کی رو سے نبوت اور رسالت حضور ﷺ پر کامل ہوئی۔

ذرا نوٹ کیجئے، پہلا مفہوم اپنی جگہ پر ایک واقعہ ہے، حقیقت ہے، لیکن اس میں فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ایک زنجیر چلی آ رہی تھی، آتے آتے ختم ہو گئی، تو اس کی

آخری کڑی میں فضیلت کا کیا مفہوم ہوا؟ اس اعتبار سے حضور ﷺ کی عظمت کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا۔ بلکہ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ نبوت رحمت ہے' نبوت تو نوعِ انسانی کی ہدایت کا ایک سلسلہ تھا۔ چنانچہ جہاں سے وہ شروع ہوئی اس کی فضیلت زیادہ ہونی چاہئے بنسبت اس کے کہ جہاں آ کر وہ ختم ہوگئی۔ میری بات کو دوبارہ نوٹ کیجئے کہ اپنی جگہ پر یہ واقعہ ہے' لیکن اس اعتبار سے حضور ﷺ کی عظمت کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کی عظمت اور فضیلت کا پہلو تو اس اعتبار سے ہے کہ نبوت آپؐ پر کامل ہوگئی' رسالت کی آپؐ پر تکمیل ہوگئی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں قرآن مجید اور حدیث شریف میں حضور ﷺ کے ضمن میں خاص طور پر تکمیل' اِکمال' اِتمام اور تتمیم جیسے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ ''آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا''۔ ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرما دیا''۔ ﴿وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ ''اور اب (قیامت تک کے لئے) اسلام کو تمہارے لئے بطورِ دین پسند کر لیا''۔ اسی طرح آپ کو معلوم ہے کہ قرآن حکیم میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ﴾ (الصّف: ۸) ''اللہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اور ﴿وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۳۲) ''اللہ کو ہرگز یہ منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے گا' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) ''مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اخلاق کے جو بلند مقامات ہیں ان کا اِتمام کر دوں''۔ تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اکمال' تکمیل' اتمام اور تتمیم' یہ الفاظ کثرت کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپؐ کی بعثت کے ضمن میں آ رہے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی اصل فضیلت اسی اعتبار سے ہے اور آپؐ کی نبوت کی عظمت کا انکشاف اس پہلو سے ہوتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایسا نہیں ہے کہ ایک فصیل جس کی اونچائی

برابر تھی، چلی آ رہی تھی اور ایک جگہ آ کر ختم ہو گئی۔ یہ ختم نبوت کا پہلا مفہوم ہے۔ دوسرا معاملہ یہ ہے کہ ایک چیز تدریجاً ترقی کرتے کرتے اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی اور ختم ہو گئی۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ختم نبوت کا جو پہلا مفہوم ہے اس کی قانونی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کذاب، دجال، جھوٹا اور کافر ہے، اور جس کسی نے بھی اس کی تصدیق کی، اس کو مان لیا وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد شمار ہو گا۔ یہ اس کی قانونی اہمیت ہے۔ کوئی شخص مسلمان رہا یا نہیں رہا، یہ تو بڑا اہم مسئلہ ہے جس کی حیثیت قانونی ہے۔ اگر کسی نے حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کی نبوت کا اقرار کر لیا یا خود اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو وہ مرتد ہے، واجب القتل ہے، اس کی بیوی کا اس سے نکاح ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کے اس مفہوم پر علماء کرام نے بڑی تفصیل سے گفتگوئیں اور تقاریر کیں، خطبات دیئے، اور تصانیف تحریر کیں۔ اس موضوع پر مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کی کتاب میرے نزدیک حرف آخر ہے، جس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

ختم نبوت کا دوسرا مفہوم کہ حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی ہے، چونکہ اس کی کوئی قانونی اہمیت نہیں تھی لہٰذا اس پر کما حقہ توجہ نہیں ہوئی۔ اس پہلو کو نمایاں کرنا درحقیقت میری آج کی گفتگو کا اصل موضوع ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ علماء کرام کی تقاریر میں ختم نبوت پر گفتگو ہوتی ہے تو قرآن مجید کی یہی ایک آیت پیش کی جاتی ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (الاحزاب: ۴۰) ''(اے مسلمانو! حضرت) محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں''۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اگر حضور ﷺ نے مُنہ بولا بیٹا بنا لیا تھا تو واضح کیا جا رہا ہے کہ مُنہ بولا بیٹا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ورنہ آپؐ کسی مرد کے والد نہیں ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں بیٹے دیئے بھی لیکن وہ جلد ہی فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ کی عمر کے آخری دَور میں بھی

حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی' وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گئے ـــــ لیکن آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں۔ یعنی مہر لگ گئی اور یہ راستہ بند ہو گیا۔ یہاں سے اب کسی اور نبوت کے اجراء کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

غور کیجئے کہ یہ آیت کس سیاق وسباق میں آئی ہے۔ عرب میں ہمیشہ سے ایک رواج چلا آ رہا تھا اور یہ ان کی تہذیب وثقافت کا جزوِ لازم تھا کہ کسی کا اگر مُنہ بولا بیٹا ہے اور اس کا انتقال ہو گیا یا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو مُنہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے وہ شخص کبھی نکاح نہیں کر سکتا۔ وہ گویا حرامِ مطلق ہے۔ شریعت میں یہ حکم نہیں ہے۔ شریعت میں صلبی بیٹے کی بیوی حرامِ مطلق ہے۔ وہ بیوہ ہو جائے یا مطلقہ ہو جائے تو باپ اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ وہ محرماتِ ابدیہ میں سے ہے' لیکن مُنہ بولے بیٹے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اس رسم کو توڑنے کے لئے اگر خود حضور ﷺ اس پر عمل نہ کرتے تو کسی طرح بھی یہ صورت ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زینبؓ کو جب زیدؓ بن حارثہ نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ آسمان پر نکاح کر دیا۔ زمین پر یہ نکاح بعد میں ہوا ہے۔ اور اب یہاں فرمایا کہ اب اگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یہ کام نہ کرتے (یعنی اپنے مُنہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح) تو ان کے بعد تو کوئی نبی آنے والا ہے نہیں' لہٰذا اس غلط رسم کی اصلاح کی کوئی شکل نہ ہوتی۔ چنانچہ ختم نبوت کا جو قانونی مفہوم ہے اس کے اعتبار سے یہ متعلقہ آیت ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن میں نے جو دوسری آیات تلاوت کی ہیں' وہ ختم نبوت کے دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اہم ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی فضیلت اور آپؐ کی عظمت والا مفہوم کہ آپؐ پر رسالت اور نبوت کی تکمیل ہوئی ہے۔ ان آیات پر گفتگو بعد میں ہو گی۔ پہلے میں چاہتا ہوں کہ ختم نبوت کے جو دو مفاہیم میں نے بیان کئے ہیں' ان کے اعتبار سے ہم بعض احادیث نبویہؐ کا مطالعہ کر لیں۔

(۱) جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ، کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ، وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ))

''میری اُمت میں تیس افراد ایسے اٹھیں گے جو کذاب (انتہائی جھوٹے) ہوں گے، ان میں سے ہر شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

اس حدیث میں اس قانونی مفہوم کو بہت ہی عمدگی کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ اگرچہ دجال اٹھیں گے، نبوت کے جھوٹے مدعی پیدا ہوں گے، لیکن میں آخری نبی ہوں۔ حضور ﷺ کے اپنے زمانے میں مدعیانِ نبوت اٹھ گئے تھے، پھر اس دور میں تو ان کی رفتار بڑی تیز ہوگئی ہے، آخری زمانہ آ رہا ہے، تیس کی تعداد اب پوری ہونی ہے۔ بہاء اللہ ایران میں اٹھا، غلام احمد قادیانی ہندوستان میں اٹھا، ابھی آپ کے ہاں ایک یوسف کذاب تھا جس کو ایک شخص نے ساہیوال جیل میں گولی ماردی ہے، ورنہ وہ بھی کہتا تھا کہ میں محمدؐ ہوں، معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ...... پچھلے دنوں خبر آئی تھی کہ ملتان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ وہ گرفتار کیا گیا ہے اور اس پر مقدمہ چل رہا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے فرمادیا کہ میری اُمت میں تیس افراد ایسے ہوں گے کہ جو نبوت کا دعویٰ کریں گے مگر وہ جھوٹے ہوں گے، حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۲) بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلَاثِیْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) (متفق علیہ)

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب ایسے افراد نہ اٹھا دیئے جائیں جو دجال ہوں گے، کذاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اس مفہوم کی حدیث سنن ابی داؤد

میں بایں الفاظ آئی ہے:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ))

''قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ تیس دجال ظاہر نہ ہو جائیں' جن میں ہر شخص یہ کہے گا اور سمجھے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

یہ تین حدیثیں ختم نبوت کا قانونی مفہوم دوٹوک انداز میں بیان کر رہی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے۔ اس میں تکمیل نبوت کا تصور آ رہا ہے' یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔ یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی سند بہت قوی ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے' یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

((اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بُنْیَانًا' فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ مِنْ زَوَایَاهُ' فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ : هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ : فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ))

''یقیناً میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی' اس نے اس عمارت کو بہت عمدہ اور خوبصورت بنایا' سوائے اس کے کہ اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ پھر لوگ آ کر اس عمارت کے چکر لگانے لگے اور (اس کی خوبصورتی اور عظمتِ شان پر) تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ اور لوگ کہتے: بھلا یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اینٹ مَیں ہوں اور مَیں خاتم النبیین ہوں۔''

مسلم کی ایک روایت میں الفاظ آئے ہیں: ((فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ' جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ)) ''پس اُس اینٹ کی جگہ (مکمل کرنے والا) میں ہوں' میں آیا تو

میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔"

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: ((خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ)) "میرے ذریعے سے اس عمارت (قصر رسالت) کی تکمیل ہوگئی اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

اب یہاں محل اور محل میں ایک کمی اور اس کمی کا آپ ﷺ کے ذریعے پورا ہو جانا' یہ ہے تکمیل نبوت و رسالت کا معاملہ۔

ختم نبوت کے قانونی تقاضے

ختم نبوت کا یہ پہلو کہ جس شخص نے بھی حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا کرے گا' وہ کذاب' دجال' جھوٹا' کافر' مرتد اور واجب القتل ہے' یہ اس کا قانونی تقاضا ہے۔ چنانچہ عالم اسلام میں اس سے پہلے جب بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا تو جب تک مسلمانوں کی حکومتیں تھیں ایسے افراد کو قتل کر دیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب اور جو دوسرے بڑے بڑے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے' ان کے خلاف جہاد کیا گیا اور انہیں تہہ تیغ کیا گیا۔ ایران میں بہاء اللہ اٹھا تو وہاں چونکہ مسلمانوں کی حکومت تھی لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا۔ اب بھی کوئی بہائی ایران میں نہیں رہ سکتا' سب وہاں سے بھاگ چکے ہیں' کوئی وہاں آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کے وقت ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی' لہٰذا ہر شخص کو کھلی چھوٹ تھی۔ اکبر الٰہ آبادیؒ نے بڑے خوبصورت الفاظ کے اندر وہ نقشہ کھینچا ہے:

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو آئیں' وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ!

اگر اسلامی حکومت ہوتی یا مسلمان حکومت ہی ہوتی تو مرزا کو یہ جرأت نہ ہوتی۔ مسلمان

حکومتوں کے دوران جس نے ''انا الحق'' کہا (منصور) وہ سولی چڑھا دیا گیا اور جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ قتل کر دیئے گئے' لیکن یہاں انگریز کی حکومت تھی' جس میں کھلی چھوٹ تھی کہ چاہو تو خدائی کا دعویٰ کر دو' نبوت کا دعویٰ کر دو' رسالت کا دعویٰ کر دو' کوئی پوچھنے والا نہیں' کوئی پکڑنے والا نہیں' کسی دار و گیر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں۔ اسی زمانے میں غلام احمد قادیانی نے ایک دعوتی خط امیر کابل کو لکھا کہ وہ اس کی نبوت پر ایمان لائیں۔ جب وہ خط وہاں پہنچا تو امیر کابل نے اسی خط پر دو الفاظ لکھ کر خط واپس کر دیا: ''ایں جا بیا!'' یعنی ذرا یہاں آؤ! یہاں آ کر تم نبوت کا دعویٰ کرو تو پتہ چل جائے کہ کس بھاؤ بکتی ہے۔ تم انگریز کی چھتری تلے بیٹھے ہوئے دعوے کر رہے ہو اور انگریز تمہاری پشت پناہی کر رہا ہے۔ تم نے جہاد کو ختم کر دیا' حرمت قتال کا فتویٰ دے دیا۔ انگریز کو اور کیا چاہئے؟ Glad Stone جبکہ برطانیہ کا وزیر اعظم تھا' اس نے اپنی پارلیمنٹ میں قرآن کو لہرا کر کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا' یہ تو جہاد اور قتال کی بات کرتی ہے۔ تو انگریز کو اور کیا چاہئے تھا کہ اگر کوئی اس قتال کو منسوخ کر دے اور مسلمانوں میں سے جذبہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو نکال دے تو اس سے بڑی اور کیا خدمت ہو گی! امیر کابل کے دو لفظی جواب میں یہ پیغام مضمر تھا کہ اگر تمہیں یہ دعوت دینی ہے تو ذرا یہاں آ کر مجھے دعوت دو تا کہ تمہارے چودہ طبق روشن ہوں اور تمہیں معلوم ہو کہ اس دعویٰ کرنے کا مطلب کیا ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر اللہ کا بڑا کرم ہوا تھا کہ اس ملک میں ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے کا فیصلہ ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت ہی مبارک فیصلہ تھا۔ اس کے لئے جو تحریک اٹھی وہ بھی بہت ہی عمدہ تھی' بہت پُرامن تھی' بہت منظم تھی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اس کے قائد تھے۔ کوئی سیاسی لیڈر اس میں نمایاں نہیں تھا' خالص دینی تحریک تھی۔ پھر اُس وقت ہمارے ہاں حکمران ذوالفقار علی بھٹو تھا جو خالص سیکولر ذہن کا آدمی تھا' اور قادیانیوں نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں اس کی حمایت کی تھی۔ قادیانی سمجھتے تھے کہ وہ تو ہمارا اپنا آدمی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے

بہترین طریقے سے، جس پر اعتراض کیا ہی نہیں جاسکتا، پارلیمنٹ کے ذریعے سے فیصلہ کرایا۔ کوئی آرڈی نینس، کوئی حکم یا فرمان جاری نہیں ہوا تھا۔ پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور قادیانیوں اور لاہوریوں کو اپنا موقف کھل کر پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ ان دونوں گروہوں کے سرکردہ لوگوں نے اس کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر بیانات دیئے اور وضاحت سے اپنا موقف بیان کیا۔ اُس وقت ان کا خلیفہ مرزا طاہر احمد کا غالباً بڑا بھائی مرزا ناصر احمد تھا۔ اس نے کہا کہ غلام احمد قادیانی کو ہم ڈنکے کی چوٹ پر نبی مانتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ یہ غیر مسلم ہیں۔

یہ ایک صحیح فیصلہ تھا، لیکن یہ فیصلہ ادھورا تھا۔ اس لئے کہ اس فیصلے سے قادیانیت کے فتنے کو کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔ غیر مسلم قرار دیئے جانے کے فیصلے کے باوجود وہ فتنہ جوں کا توں پنپ رہا ہے، جوں کا توں پھیل رہا ہے اور اپنے سرطان کی جڑیں ہمارے معاشرے میں پھیلا رہا ہے۔ ویسے تو عالمی سطح پر انہیں بڑی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے، پوری مغربی دنیا ان کی سرپرستی کر رہی ہے، لیکن اندرونِ ملک بھی اس فتنے کا قلع قمع اگر ہو سکتا تھا تو صرف اُس وقت جبکہ اس فیصلے کا جو قانونی اور منطقی تقاضا ہے، وہ بھی پورا کیا جاتا، اور وہ یہ کہ مرتد کی سزا قتل نافذ کی جاتی۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدعیانِ نبوت سے قتال کیا گیا، اور اسلامی تاریخ میں جتنے بھی لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے انہیں ہمیشہ قتل کیا گیا۔ لہٰذا مرتدین کی سزا قتل جب تک نافذ نہیں ہو گی، اس فتنے کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، بلکہ وہ تو اس فیصلے کے بعد اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں اور دنیا کے سامنے مظلوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور آپ جتنے چاہیں آرڈی نینس نافذ کر لیں لیکن وہ سارے اسلامی شعائر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مسجد کی شکل نہیں بنا سکتے، ماڈل ٹاؤن میں ایک بڑی کوٹھی کے اندر اُن کا جمعہ ہوتا ہے۔ ان کے عید کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ وہ سارے شعائر اسلامی کو استعمال کر رہے ہیں اور الٹا مظلومیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، جیسے دنیا میں یہودیوں نے Holocaust کی مظلومیت کا لبادہ اپنے

اوپر اوڑھا ہوا ہے کہ ہم جو چاہیں نوعِ انسانی پر ظلم کر لیں یہ ہمارا حق ہے' اس لئے کہ ہم نے Holocaust کی صورت میں بہت بڑا ظلم سہا تھا۔ جرمنوں نے ہمارے ساٹھ لاکھ آدمی ختم کر دیئے تھے' تو ہم اگر آٹھ' دس لاکھ فلسطینی اور دوسرے مسلمانوں کو قتل کر دیں گے تو کون سی بڑی بات ہے؟ اسی طرح قادیانیوں نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس روز بھی یہ فیصلہ ہوا' ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا کہ آج کی اس تاریخ سے پہلے پہلے جو قادیانی ہیں وہ تو اقلیت قرار پائیں گے' لیکن اس فیصلے کے نفاذ کے بعد جو شخص بھی قادیانیت اختیار کرے گا اس پر قتل مرتد کی حد جاری کی جائے گی۔ جب تک یہ نہیں ہو گا اس فتنے کا استیصال تو دور کی بات ہے' اس کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچ سکتا۔

تکمیل نبوت کے دو مظاہر

محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کامل ہوئی اور آپ ﷺ پر رسالت کامل ہوئی' ان دونوں باتوں کو اب میں علیحدہ علیحدہ بیان کر رہا ہوں' ذرا اس کو سمجھ لیجئے۔ دراصل نبوت عام ہے اور رسالت خاص ہے۔ ہر رسول لازماً نبی بھی ہے' مگر ایسا نہیں کہ ہر نبی لازماً رسول بھی ہو۔ نبی اور رسول میں فرق کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں کہ اس فرق کی بنیاد کیا ہے' یہ میرا اس وقت کا موضوع نہیں ہے' لیکن جو شخص نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے اس کی شخصیت میں جو دونوں چیزیں جمع ہو گئیں ان کی باہمی نسبت کیا ہے؟ دیکھئے نبوت اللہ سے لینے والا پہلو ہے۔ یعنی اللہ سے receive کرنا' وحی حاصل کرنا' وحی کو وصول کرنا' یہ نبوت ہے۔ جبکہ رسالت ہے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دینا' عوام تک ابلاغ اور تبلیغ کا حق ادا کر دینا۔ تو ایک پہلو نبوت ہے' دوسرا پہلو رسالت ہے۔ نبوت وہ کھڑکی ہے جہاں سے وحی آ رہی ہے اور اس کو اللہ کا نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) وصول کر رہا ہے۔ اب اس کا کام بحیثیت رسول اس وحی کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: ﴿یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ ''اے رسول! پہنچا دو جو کچھ بھی نازل کیا گیا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے'' ﴿وَاِنْ

لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ (المائدۃ:٦٧) ''اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا''۔

نبوت کی تکمیل کے دو مظاہر ہیں اور اس کے لئے میرے نزدیک قرآن مجید کی جو متعلقہ (relevent) آیت ہے وہ الفاظ قرآن میں تین مرتبہ آئے ہیں' سورۃ التوبۃ میں' سورۃ الفتح میں اور سورۃ الصّف میں: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق دے کر' تاکہ اسے کل جنسِ دین پر غالب کر دے''۔ یہاں قرآن حکیم کے لئے ''الہدیٰ'' کا لفظ آیا ہے' یعنی The Total Guidance, The Final Guidance.۔۔۔اور ''الہدیٰ'' اور ''دین الحق'' کے درمیان حرفِ عطف ''وَ'' آیا ہے۔ یعنی یہ دو چیزیں الہدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا۔ کس لئے بھیجا؟ ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ تاکہ وہ غالب کر دے اسے تمام ادیان پر' تمام نظاموں پر' پورے کے پورے جنس دین پر۔ اس کے بعد دو جگہ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی ''خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناپسند ہو''۔ اور ایک جگہ آیا: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝﴾ ''اور اللہ کافی ہے بطورِ گواہ (یا بطورِ مددگار)''۔

حضور ﷺ کو جو دو چیزیں دی گئیں' الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق' نوٹ کیجئے کہ یہ دونوں چیزیں ابتداء سے چلی آ رہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی فرما دیا گیا: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۳۸) ''پھر جو بھی تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہوگا''۔ تو ہدایت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ شروع ہو گیا' لیکن جیسے جیسے بحیثیت مجموعی نوعِ انسانی کے شعور نے ترقی کی' ذہنی اور فکری سطح بلند ہوئی ویسے ہی اس ہدایت کے اندر بھی ارتقاء ہوتا چلا گیا۔ ظاہر بات ہے کوئی بچہ اگر پرائمری کا طالب علم ہے اور آپ اس کے لئے پی ایچ ڈی

ٹیچر رکھ دیجئے تو کیا وہ اسے پی ایچ ڈی کی تعلیم دے گا؟ یا ایم اے کا نصاب پڑھائے گا؟ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ ابھی عہد طفولیت میں ہے اور اس کے لئے ایک خاص حد سے آگے بات کا سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ تو نوعِ انسانی جب تک عہد طفولیت میں تھی ہدایت بلکہ ہدایات آتی رہیں کہ یہ کرو' یہ نہ کرو۔ نوٹ کیجئے' میں یہاں ''ہدایت'' کی جگہ ''ہدایات'' کا لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ تورات ''احکامِ عشرہ'' (Ten Commandments) پر مشتمل تھی کہ یہ dos ہیں اور یہ donts ہیں' یہ تمہیں کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا ہے۔ جب تک نوعِ انسانی شعور کے اعتبار سے' اپنے فلسفیانہ فکر کے اعتبار سے' اپنے ذہن اور شعور کی ارتقائی منازل کے اعتبار سے mature نہیں ہو گئی تو اس عبوری دَور (Interim Period) کے لئے ہدایات آتی رہیں کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو' لیکن جب نوعِ انسانی شعور کے اعتبار سے بلوغ کو پہنچ گئی تو اسے ہدایات کے بجائے ہدایتِ کاملہ عطا کر دی گئی۔

تاریخ اور فلسفہ کے ماہرین خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نوعِ انسانی کا فلسفیانہ شعور (Philosophical Consciousness) بارہ سو سال میں ترقی کی منازل طے کرتا ہوا اپنے بلوغ کی منزل کو پہنچا ہے۔ یہ دَور ۶۰۰ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۶۰۰ بعد مسیح پر ختم ہو گیا۔ سارے کے سارے فلسفے انہی بارہ سو سالوں میں پیدا ہوئے۔ سقراط' افلاطون اور ارسطو بھی اسی دَور میں پیدا ہوئے اور گوتم بدھ' مہاویر' کنفیوشس اور تاؤ بھی اسی دَور میں پیدا ہوئے۔ اس بارہ سو سالہ دَور میں انسان کا ذہنی' خاص طور پر فلسفیانہ شعور اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے پختگی (maturity) کی آخری حد کو پہنچ چکا تھا۔ یادش بخیر پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ کا ذکر کر رہا ہوں' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے' جب میں کرشن نگر میں پریکٹس کرتا تھا تو وہ شام کو میرے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ پھلجھڑیاں ہوتی تھیں جو اُن کے مُنہ سے نکلتی تھیں' جو گویا فلسفیانہ اور تاریخی معلومات اور مذہبی مسائل کا ایک خزانہ تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ ۶۰۰ قبل مسیح سے ۶۰۰ بعد مسیح

تک جتنے مذاہب اور جتنے فلسفے پیدا ہونے تھے ہو چکے' اس کے بعد کوئی نیا مذہب یا نیا فلسفہ دنیا میں نہیں آیا۔ یہ تو پرانی شراب ہے جو نئے لیبلوں کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ اس پر میرا ذہن فوراً منتقل ہوا اور میں نے کہا: چشتی صاحب! اس کا تو پھر براہِ راست تعلق ختم نبوت کے ساتھ ہے! کہنے لگے: کیوں؟ میں نے کہا: جب انسان جو کچھ از خود سوچ سکتا تھا سوچ چکا تو پھر اسے ہدایت کاملہ سے نواز دیا گیا' اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ۶۰۰ عیسوی تک انسان کا فلسفیانہ شعور اپنی پختگی اور بلوغ کو پہنچ گیا تھا تو ۶۱۰ء میں حضرت محمد ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞﴾ (العلق: ۱۔۵) اور شاید سیرت النبیؐ کا یہ پہلو بہت کم لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

اس اقرأ کی وحی کے آنے سے متصلاً قبل (مدت کا ہمارے پاس تعین نہیں ہے کہ کتنے مہینے یا کتنا لمبا عرصہ لگا ہے) حضور ﷺ غارِ حرا میں جو مراقبہ کیا کرتے تھے وہ کس چیز پر مشتمل ہوتا تھا؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کھانے پینے کا کچھ سامان کر دیتیں اور آپ غارِ حرا میں چلے جاتے اور وہاں کئی کئی روز دن رات قیام فرماتے۔ اس دوران آپ کیا کرتے تھے؟ حدیث میں الفاظ آتے ہیں: یَتَحَنَّثُ فِیْہِ ''وہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے''۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی عبادت؟ آپؐ اگر یہودیوں کے ہاں پیدا ہوتے تو یہودیوں والی عبادت کرتے' عیسائیوں کے ہاں پیدا ہوتے تو عیسائیوں والی عبادت کرتے' لیکن آپؐ تو عرب کے اندر مکہ میں مشرکین کے ہاں پیدا ہوئے اور ظاہر بات ہے کہ مشرکین والی عبادت کرنے کا تو سوال ہی نہیں۔ آپؐ سلیم الفطرت انسان تھے اور آپؐ نے کبھی کسی بُت کو سجدہ نہیں کیا۔ تو آپؐ کون سی عبادت کرتے تھے؟ شارحین حدیث نے اس کا حل نکالا ہے: کان صفۃ تعبدہ فی غار حراء التفکر والاعتبار ۔ یعنی حضور ﷺ کی غارِ حرا میں جو عبادت تھی وہ غور و فکر اور سوچ و بچار پر مشتمل تھی۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو

پوری انسانی فلسفیانہ سوچ کے مراحل طے کرائے ہیں اور اس کے بعد وحیٔ نبوت کا آغاز ہوا ہے: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ یہ سارا مرحلہ اسی لئے تھا کہ حضور ﷺ اپنی سوچ سے' غور و فکر سے' اپنی سلامتیٔ طبع' اپنی سلامتیٔ فطرت اور سلیم عقل کی رہنمائی میں غور و فکر کریں' تدبر کریں۔ اور اس کے نتیجے میں پھر آپؐ اس مقام پر پہنچے کہ ﴿وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَھَدٰی ﴾ یعنی اے نبیؐ! ہم نے پایا آپؐ کو کہ آپؐ ہدایت کی تلاش میں سرگرداں ہیں' تو ہم نے آپؐ کو ہدایتِ کاملہ سے سرفراز فرما دیا۔

اب یہاں ایک اہم نکتہ نوٹ کیجئے۔ یہ ایک بہت اہم حقیقت ہے جو نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں اور نگاہوں کے سامنے آ جائے تو بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیا تورات اللہ کی کتاب نہیں تھی؟ اس میں تحریف کیوں ہو گئی؟ اگر اللہ نے ضمانت لی ہوتی کہ اس میں تحریف نہیں ہو سکتی تو کیا تحریف ہو سکتی تھی؟ کیا انجیل اللہ کی کتاب نہیں تھی؟ یقیناً تھی۔ اس میں تحریف کیوں ہو گئی؟ اس لئے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت کا ذمہ نہ لیتا تو کیا ہم اسے تحریف کے بغیر چھوڑ دیتے؟

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

قرآن کے ترجموں میں تحریفیں ہوئی ہیں' تفسیروں میں تحریفیں ہوئی ہیں' ہاں ایک متن قرآن ہے جس میں تحریف نہیں ہو سکتی' اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ''ہم نے ہی اس الذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ'' کے الفاظ کا مصداق تورات بھی ٹھہرتی ہے' انجیل بھی اور زبور بھی۔ اللہ ہی نے سابقہ آسمانی کتب بھی نازل کی تھیں۔ خاص طور پر سورۃ المائدۃ کے ساتویں رکوع کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ ''ہم نے اتاری تھی تورات' اس میں ہدایت بھی تھی' نور بھی تھا''۔ پھر انجیل کے بارے میں بھی فرمایا: ﴿فِیْهِ هُدًى

وَّنُوْرٌ﴾ ''اس میں ہدایت بھی تھی' نور بھی تھا'' ۔غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا اور قرآن کی حفاظت کا ذمہ لے لیا؟ بلکہ میں ذرا لطیف انداز میں اس بات کو آپ کے ذہن کی گہرائیوں تک لے جانے کے لئے عرض کروں گا۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ان کتابوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اللہ سے شکوہ کریں کہ اے اللہ! ہم بھی تیری کتابیں تھیں' قرآن بھی تیری کتاب تھی' تو ہمارے ساتھ یہ سوتیلی بیٹیوں والا سلوک کیوں ہوا کہ آپ نے قرآن کو تو تحفظ دیا' ہمیں نہیں دیا۔ اس کی وجہ سمجھ لیجئے' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' سابقہ کتب سماویہ کے نزول کے وقت ابھی ہدایت اپنے ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی' ابھی اسے اپنے نقطۂ عروج اور نقطۂ کمال تک پہنچنا تھا۔ چنانچہ اس درمیانی عرصے کے لئے' عبوری دَور کے لئے جو ہدایات آ رہی تھیں ان کو مستقل طور پر محفوظ کر دینے کی چنداں حاجت نہ تھی۔ جب وہ کامل اور مکمل ہدایت آ گئی اور ہدایت کی تکمیل ہوگئی تو اب یہ ہدایت ''ھُــــدًی'' نہیں رہی ''الھُدٰی'' (The Guidance) ہوگئی۔ اب اس کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا۔

ختم نبوت کے خلاف غلام احمد قادیانی کی دلیل اور اس کی تردید

ایک قادیانی سے جب میں نے اس معاملے پر بحث کی تو سورۃ البقرۃ میں وارد شدہ الفاظ ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ کے مصداق وہ میری دلیل کے آگے بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس کے لئے دائیں بائیں بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ دیکھئے غلام احمد قادیانی نے اپنے فتنے کا آغاز کہاں سے کیا تھا۔ یہ سمجھ لیجئے' پہلے وہ ایک بہت اچھا مناظر تھا۔ اس نے آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے مناظرے کئے اور مناظروں میں فتح حاصل کی اور نتیجتاً مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن گیا' محبوب ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے ایک شوشہ چھوڑا کہ نبوت اور وحی تو رحمت ہیں' رحمت بند کیسے ہوسکتی ہے؟ وحی تو انسانوں کی ہدایت کے لئے ہے' انسان ختم نہیں ہوئے تو وحی کیسے ختم ہوگئی! دیکھئے بظاہر یہاں بات جی کو لگتی ہے۔ یہیں سے آپ کو اس بات کا جواب مل جائے گا کہ بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اس فتنے کا شکار کیونکر ہوگئے۔ دنیا میں ایک ہی مسلمان نام کا سائنس دان ٹاپ پر آیا ہے' اور وہ قادیانی ہے۔ ایک ہی مسلمانوں کا نام رکھنے

والا انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس ہیگ کا جج بنا ہے' وہ بھی قادیانی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹرز قادیانی' انجینئرز قادیانی۔۔۔ آخر کیوں؟ یہ بات ایسی تھی کہ جو بظاہر دل کو اپیل کرتی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے وحی کا راستہ کھولا گیا تھا' ابھی انسان ختم نہیں ہوئے' وحی کا دروازہ کیسے بند ہو جائے گا؟ پہلے اجراءِ وحی کا شوشہ چھوڑا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اگر وحی جاری ہے تو نبوت بھی جاری ہے۔ لہٰذا پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے عوام الناس کی نفسیات کو متاثر کرنے کے لئے ایک اور شوشہ چھوڑا کہ دیکھو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ فوت بھی ہو گئے اور زیرِ زمین دفن ہیں جبکہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہ آسمان پر ہیں! اس سے تو گویا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم حضرت محمد ﷺ سے افضل ہو گئے! حالانکہ افضلیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اصحابِ کہف اگر ۳۰۰ برس تک سوتے رہے تو اس میں کون سی افضلیت کی بات ہے! اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ۱۰۰ برس تک مردہ رکھ کر دوبارہ زندہ کر دیا تو اس میں افضلیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ خدا کی قدرت ہے' اللہ ایسا کر سکتا ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے عام آدمی کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے شوشے چھوڑے اور کہا کہ نہیں نہیں' غلط ہے' یہ مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں' رفعِ مسیح قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے' حدیثوں کے اندر ہے' اور حدیثوں کے بارے میں ہم اطمینان نہیں کر سکتے کہ حضرت مسیحؑ سولی نہیں چڑھائے گئے۔ مرزا کے بقول وہ سولی چڑھائے گئے' لیکن فوت نہیں ہوئے' البتہ زخمی ہونے کے بعد صلیب سے اتار لئے گئے تھے۔ پھر ان کا علاج معالجہ ہوا' پھر وہ علاقہ چھوڑ کر کشمیر میں آ گئے' یہاں آ کر ان کا انتقال ہو گیا اور یہاں دفن ہوئے' یہاں کشمیر میں ان کی قبر بھی موجود ہے۔ یہ دو ایشو ہیں جو اس شخص نے خصوصی طور پر اٹھائے اور اس طرح عوام الناس کو متاثر کیا۔

ابھی میں نے جس قادیانی کا ذکر کیا اس سے میں نے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم یہ مانتے ہو کہ اللہ کی ہدایت قرآن میں کامل ہو گئی؟ اس نے کہا: ہاں' ہم مانتے ہیں کہ ہدایت کامل ہو گئی۔ میں نے کہا: کیا تم یہ مانتے ہو کہ قرآن محفوظ ہے' اس میں تحریف

نہیں ہوئی؟ اُس نے کہا: ہاں' ہم مانتے ہیں کہ قرآن محفوظ ہے' اس میں تحریف نہیں ہوئی۔ پھر میں نے کہا: مجھے منطقی وجہ بتاؤ کہ پھر اس وحی کی کھڑکی کو کھلے رکھنے کا فائدہ کیا ہے؟ وہاں سے جو آنا تھا وہ مکمل ہو گیا' یعنی قرآن۔ ہاں' قرآن میں اگر تحریف ہو جاتی' اس کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا گیا ہوتا تو کسی نبی کی ضرورت تھی کہ جو آ کر اس کی تصحیح کرتا کہ یہ بات یوں نہیں' یوں تھی۔ منطقی اعتبار سے ایک جواز پیدا ہوتا ہے وحی اور نبوت کے جاری رہنے کا' بشرطیکہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو مانا جائے ___ یا تو یہ کہو کہ قرآن میں ہدایت مکمل نہیں ہوئی اور یا کہو کہ ہو تو گئی تھی لیکن قرآن گم ہو گیا یا قرآن کے اندر تحریف ہو گئی' یہ وہ اصل قرآن نہیں ہے۔ یہ دونوں باتیں نہیں مانتے تو مجھے بتاؤ کہ عقلی اور منطقی اعتبار سے اس کھڑکی کو کھلے رکھنے کا کہاں کوئی جواز پیدا ہوتا ہے؟ جیسا کہ میں نے پہلے آپ کو بتایا' اس پر وہ قادیانی بالکل مبہوت ہو گیا کہ واقعتاً آپ کی دلیل بہت مضبوط ہے۔ تو تکمیل نبوت کا پہلا مظہر تو یہ ہے کہ وہ ہدایت' فلسفیانہ ہدایت' ایمان کی ہدایت' فکری اور نظری ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دینی تھی' وہ قرآن میں مکمل ہو گئی۔

تکمیل نبوت کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ دین حق کی بھی تکمیل ہوئی ہے حضرت محمد ﷺ پر۔ جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں آیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا''۔ لیکن تکمیل دین کا پس منظر بھی سمجھ لیجئے۔ جیسے انسان کے ذہنی ارتقاء کے مراحل آئے ہیں' فلسفیانہ شعور میں ترقی ہوئی ہے اور ہوتے ہوتے وہ اپنے بلوغ اور پختگی کو پہنچا ہے' ایسے ہی انسان کے اندر تمدنی طور پر ارتقاء ہوا ہے۔ ایک دَور وہ تھا جب ہمارے آباء واجداد غاروں میں رہتے تھے۔ کہیں کوئی سٹریٹ لائٹ کا سوال نہیں' کہیں کوئی سڑکوں کو صاف کرنے کا سوال نہیں' کہیں کسی کارپوریشن اور میونسپلٹی کا سوال نہیں۔ انفرادیت ہی انفرادیت تھی۔ میں اپنی غار کا مالک ہوں' جو چاہوں کروں'

میرے اوپر کوئی قانون نہیں' کوئی قدغن نہیں۔ یہ نظام تھا۔ اجتماعیت تھی ہی نہیں' انفرادیت ہی انفرادیت تھی۔ پھر قبائلی نظام قائم ہوا کہ قبیلے کا ایک سردار ہے' اس کا حکم ماننا ہوگا۔تم فلاں قبیلے سے ہو' اس قبیلے کی یہ روایات ہیں' تمہیں ان پر عمل کرنا ہوگا۔ اب جیسے جیسے اجتماعیت آنی شروع ہوئی انفرادیت کے اوپر قدغنیں لگنی شروع ہوئیں۔ یہ نہیں کہ جو چاہو کرو۔تمہارا تعلق اس قبیلے کے ساتھ ہے' اس کی یہ رسم ہے' یہ ریت ہے' اس کا یہ رواج ہے' تمہیں اس کو پورا کرنا ہوگا' اور تمہارا جو شیخ قبیلہ ہے' سردار ہے' اس کا حکم ماننا ہوگا۔

آگے چلئے! شہری ریاستیں وجود میں آئیں۔ دو' تین' چار قبیلے ایک شہر میں آ کر آباد ہو گئے۔ ہر قبیلہ تو اپنی جگہ پر ایک اجتماعی یونٹ ہے' اس کا سردار ہے' اس کا کہنا سب مانتے ہیں' لیکن اب ان قبیلوں کے آپس کے معاملات کیسے طے ہوں گے؟ یہاں سے دستور سازی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ کچھ اصول طے کئے جاتے تھے کہ ہمارے بین القبائلی معاملات ان اصولوں کے تحت ہوں گے۔اب میں یہاں ایک مثال دیتا چلوں' حضور ﷺ کی بعثت کے وقت مکّہ مکرمہ ایک قبیلے کا شہر تھا جہاں صرف قریش رہتے تھے اور کوئی وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ بات طے تھی کہ یہاں یا قرشی رہے گا یا قرشی کا غلام رہے گا' وہ کوئی بھی ہو' یا قرشی کا حلیف رہے گا' یعنی باہر سے کوئی آئے گا تو کسی مکّہ والے کا حلیف بن کر ٹھہر سکتا ہے' ورنہ نہیں۔لیکن مدینہ منورہ سماجی ارتقاء کے ایک بلند تر درجے پر تھا۔ وہاں پانچ قبیلے آباد تھے۔ دو تو اصل عرب قبیلے (Sons of the soil) تھے: اَوس اور خزرج۔ تین یہودی قبائل تھے جو وہاں آ کر آباد ہو گئے تھے: بنوقریظہ' بنو قینقاع اور بنونضیر۔ ان پانچوں قبیلوں کے آپس میں معاہدات تھے۔اَوس کا قبیلہ چھوٹا تھا' خزرج کا بڑا تھا۔ حضور ﷺ نے بھی جب ان میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے تو نو خزرج میں سے تھے اور تین اوس میں سے۔ اَوس اور خزرج کے درمیان یہ طے تھا کہ اگر کوئی خزرجی کسی اَوسی کو قتل کر دے گا تو دیت ایک تہائی ہوگی' جبکہ اگر کوئی اَوسی کسی خزرجی کو قتل کر دے گا تو تین گنا دیت دینا ہوگی۔ یقیناً اَوسی نوجوان کا خون کھولتا ہوگا

کہ کیا میرے خون اور میری جان کی قیمت اس خزرجی نوجوان کے مقابلے میں ایک بٹا تین ہے! لیکن اگر مدینے میں رہنا ہے تو اس اصول کو ماننا پڑے گا' یہ اصول یہاں طے ہو چکا ہے' اب تمہیں اس کی پابندی کرنی ہے۔

اس سے اگلا قدم کیا تھا! جیسے آپ افغانوں کو دیکھتے ہیں ناں کہ افغان کا چہرہ تھوڑا اور پگڑ بہت بڑا ہوتا ہے' ایسے ہی جزیرہ نمائے عرب کے اوپر جو بہت بڑا Turban ہے یہ شام عرب اور عراقِ عرب ہے۔ یہ بھی عرب ممالک ہیں۔ اور اس جزیرہ نما کے اوپر دو عظیم مملکتیں قائم تھیں' قیصر کی سلطنتِ روما اور کسریٰ کی سلطنت ایران۔ یہ تمدن کی آخری سٹیج تھی جبکہ حکومتیں بن گئیں' بادشاہتیں قائم ہو گئیں' محلات بن گئے' Standing Armies وجود میں آ گئیں۔ لاکھوں کی تعداد میں فوجیں ہیں' ٹیکس لگ رہے ہیں' دہقان محنت کر رہا ہے اور اس سے ٹیکس لیا جا رہا ہے' جاگیردار اپنا حصہ رکھ کر باقی بادشاہ کو پہنچاتا ہے۔ کرگے پر بیٹھا ہوا کوئی شخص کپڑا بن رہا ہے تو اس سے بھی ٹیکس لیا جا رہا ہے۔ عوام کو ظلم و ستم کی چکی کے اندر پیسا جا رہا ہے اور بادشاہ عیش کر رہے ہیں' اونچے اونچے محلات بنا رہے ہیں۔ یہ زمانہ تھا جبکہ انسانیت کے اوپر ایسی پابندیاں لگیں کہ انسان مجبور و مقہور ہو کر رہ گیا۔ اس دَور میں محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ اُس وقت تمدنی ارتقاء اس انتہا کو پہنچ گیا تھا کہ اجتماعیت کا دَور دورہ تھا' انفرادیت پس گئی تھی' اس کی آزادیاں ختم ہو گئی تھیں۔ اب بادشاہ تھا اور بادشاہ کا نظام تھا۔ عوام میں کہیں ذرا سی بھی بغاوت ہوتی تو سلطنت روما کے غرقِ آہن فوجی اسے بری طرح کچل دیتے تھے۔ اسی طرح ایرانی فوجی کسی کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیتے تھے' اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ آئے اور آپؐ کو نوعِ انسانی کے لئے دینِ حق کی صورت میں ایک مکمل نظامِ حیات عطا کر دیا گیا کہ سماجی سطح پر یہ ہدایت ہے' معاشی سطح پر یہ ہدایت ہے اور سیاسی سطح پر یہ ہدایات ہیں۔ الغرض ایک مکمل -Politico Socio-Economic System کی حیثیت سے دین کو کامل کر کے حضرت محمد ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔ حالانکہ دین ہمیشہ سے ایک تھا' موسیٰؑ کا دین بھی یہی تھا' عیسیٰ

کا دین بھی یہی تھا' ابراہیمؑ کا بھی یہی تھا' نوحؑ کا بھی یہی تھا (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔
سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۳) میں فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى......﴾

سب کا دین ایک تھا' لیکن ابھی دین مکمل نہیں ہوا تھا۔ ابھی اجتماعیت محدود تھی' ابھی انفرادیت کا بول بالا تھا۔ ابھی ایک نظام کا تصور نہیں تھا۔ ابھی کوئی پولیٹیکل سسٹم وجود میں نہیں آیا تھا۔ ابھی وہ Standing Armies کے دَور نہیں آئے تھے۔ وہ دَور جب آ گیا تو عدل وقسط پر مبنی ایک "Politico-Socio-Economic System" اسلام کی شکل میں' دین حق کی تکمیل کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا گیا۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ یہ تکمیل نبوت کے دو مظاہر ہیں۔ ایک یہ کہ ہدایت "هُدًى" سے بڑھ کر "الْهُدٰى" بن گئی۔ یعنی قرآن کی صورت میں کامل اور مکمل ہدایت عطا کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ دین کامل ہو گیا۔ یہ دونوں چیزیں حضور ﷺ پر اپنے عروج اور نقطۂ کمال کو پہنچ گئیں۔ چنانچہ یہ اللہ سے لینے والا حصّہ جو ہے' یعنی وحی اور دین' دونوں کی تکمیل ہو گئی محمد رسول اللہ ﷺ پر۔

تکمیل رسالت کے دو مظاہر

نوٹ کیجئے! میں نے کہا تھا کہ نبوت اللہ سے لینے والا حصّہ ہے اور رسالت دینے والا حصّہ ہے۔ اس دینے والے حصّے کے بارے میں فرمایا: ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ تا کہ اسے غالب کر دے کُل کے کُل دین پر' پورے نظامِ زندگی پر۔ اللہ کا دین ایک مکمل "Politico-Socio-Economic System" کی حیثیت سے قائم ہو' یہ رسالت کی تکمیل ہے۔ رسالت کا ایک درجہ تبلیغ ہے۔ بہت سے نبی ہیں کہ تبلیغ کرتے ہوئے ان کی پوری زندگی گزر گئی' کہیں کوئی نظام قائم ہوا ہی نہیں۔ نظام تو صرف محمد عربی ﷺ کے دست مبارک سے قائم ہوا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں نہیں ہوا' حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں نہیں ہوا' حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں نہیں ہوا۔ تاہم

تبلیغ کا حق انہوں نے ادا کر دیا' بات کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔لیکن ایک ہے اتمامِ حجت۔دین حق کے ضمن میں اتمامِ حجت یہ ہے کہ دین کو قائم کر کے اس کی عملی شکل دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ورنہ کتاب میں بہت اچھی باتیں لکھی جاسکتی ہیں کہ یہ یوں ہونا چاہئے' یہ ایسا ہونا چاہئے' اس کا یہ اصول ہونا چاہئے۔آپ اپنے دماغ سے کام لیجئے' اعلیٰ سے اعلیٰ باتیں نکلیں گی' لیکن جب تک آپ اسے قائم کر کے اس کا نمونہ نہ دکھائیں' یہ ثابت نہ کریں کہ یہ قابل عمل ہے' یہ نافذ کیا جاسکتا ہے' اُس وقت تک وہ حجت اپنے درجۂ اتمام کو نہیں پہنچ سکتی۔دیکھئے' افلاطون نے ایک کتاب لکھی تھی: The Republic- اس میں اس نے نقشہ کھینچا کہ نظام ایسا ہونا چاہئے' حکومت ایسی ہونی چاہئے' فلاں معاملات ایسے ہونے چاہئیں۔اور وہ کتاب' ایک کتاب کی حیثیت سے' اس قدر وقیع ہے کہ ۲۳۰۰ برس سے دنیا میں موجود ہے اور ختم نہیں ہو رہی۔ورنہ لاکھوں کتابیں چھپتی ہیں' ختم ہو جاتی ہیں' ان کا نام ونشان تک نہیں رہتا۔کتاب تو وہی باقی رہتی ہے جس کے اندر کوئی وزن ہو' جس میں کوئی ٹھوس مواد ہو۔اور Republic آج بھی دنیا میں موجود ہے۔لیکن اس کتاب میں افلاطون نے جو نظام پیش کیا تھا وہ کہیں ایک دن کے لئے بھی قائم نہیں ہوا۔لہٰذا وہ حجت نہیں ہے۔کہہ سکتے ہیں کہ یوٹوپیا ہے' ایک خیالی جنت کا نقشہ کسی نے کھینچ دیا ہے' لیکن یہ ہونے والی بات نہیں ہے بابا! کیا کہہ رہے ہو!

اب میں بڑی سادہ سی مثال دے رہا ہوں۔آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ)) ''قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے''۔کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ جی ہاں' بہت اعلیٰ بات ہے' بڑی اچھی شاعری کی ہے آپ نے' لیکن یہ ہونے والی بات نہیں ہے' سردار' سردار ہوتا ہے' خادم کیسے ہوگا؟ لیکن کیا محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ دکھا دیا یا نہیں؟ کیا خلیفہ وقت کی حیثیت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے کندھے پر آٹے کی بوری اٹھا کر اس خاندان کو نہیں پہنچائی جس کے بچے بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے؟ لاکھوں مربع میل کے اوپر اُن کا حکم چل رہا ہے اور اپنے کندھے پر آٹے کی بوری اور دیگر سامانِ خورد ونوش اٹھا کر انہیں پہنچا کر آتے ہیں۔

غلام نے کہا بھی کہ حضور میں حاضر ہوں' مَیں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا: نہیں' قیامت کے دن تم میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ رات کے وقت گشت کر رہے ہیں اور ایک گھر سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور اس کی تیمارداری کرنے والی کوئی عورت' کوئی دایہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر جا کر خاتونِ اوّل یعنی اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر آئے اور آپؓ کی اہلیہ نے جا کر وہاں دایہ گیری کی۔ تو ''سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ'' کا نقشہ دکھایا یا نہیں؟ اسی طرح انسانی مساوات کا نقشہ پیش کر کے دکھایا یا نہیں؟ بیت المقدس کا سفر ہو رہا ہے' سرکاری سفر ہے' کوئی پرائیویٹ سفر نہیں ہے' کوئی علاج معالجے کے لئے نہیں جا رہے' معاذ اللہ' بلکہ بیت المقدس کا چارج لینے کے لئے جا رہے ہیں' اور کس شان کے ساتھ کہ صرف ایک اونٹ اور ایک خادم ساتھ لیا ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی دستہ ہونا چاہئے' کوئی باڈی گارڈ ہونے چاہئیں۔ آج کل کہا جاتا ہے کہ کوئی باقاعدہ گروہ ساتھ جانا چاہئے' جس کو Entourage کہا جاتا ہے۔ ایک خلیفہ وقت ہے' ایک ان کا خادم اور ایک اونٹ۔ چونکہ راستے کا راشن بھی اسی اونٹ پر ہے لہٰذا ایک وقت میں صرف ایک آدمی سوار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک منزل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوپر بیٹھتے ہیں اور خادم نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتا ہے۔ اگلی منزل میں خادم اوپر بیٹھتا ہے اور خلیفہ وقت نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے ہیں۔ اور جب بیت المقدس میں پہنچے ہیں تو وہاں غلغلہ مچ گیا کہ ''آ گئے عمرؓ' آ گئے عمر رضی اللہ عنہ''۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اس محاذ کے سپہ سالار تھے' وہ استقبال کے لئے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے چلے آ رہے ہیں اور خادم اونٹ پر بیٹھا ہے' اس لئے کہ آخری منزل میں سوار ہونے کی باری اس کی تھی۔ حالانکہ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے تھے کہ خدا کے لئے امیر المؤمنین' آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں' لوگ کیا کہیں گے! لیکن آپؓ نے فرمایا: اَلدَّوْرُ دَوْرُکَ ۔ نہیں! اب باری تمہاری ہے۔ یہ حساب کا معاملہ ہے' تمہاری باری ہے' تم بیٹھو۔ راستے میں کہیں کیچڑ بھی تھا' لہٰذا جوتے اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بیت المقدس پہنچے ہیں تو ایک ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک میں اونٹ کی نکیل پکڑ رکھی ہے۔ اِس دَور میں یہ کہانیاں معلوم ہوتی ہیں' اَن ہونی باتیں معلوم ہوتی ہیں' لیکن یہ مصدقہ تاریخی واقعات ہیں۔ یہ کوئی پانچ چھ ہزار سال پرانی بات نہیں ہے۔ انسانی تاریخ کے اندر چودہ سو برس کیا ہوتے ہیں! یہ تمام تاریخ محفوظ ہے۔ ایک ایک چیز محفوظ ہے۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ پر رسالت کی تکمیل اس درجے میں یوں ہوئی کہ جو دین حق آپؐ پر کامل ہو گیا' اسے آپؐ نے عملاً قائم کر کے اور نافذ کر کے دکھایا۔ یہ ہے درحقیقت تکمیل رسالت کا مظہر اوّل۔

تکمیل رسالت کا مظہر ثانی' جو میں بیان کرنے لگا ہوں' یہ معمولی بات نہیں' بلکہ بہت بڑی بات ہے اور سیرت کا یہ حصّہ اکثر و بیشتر لوگوں کے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے ہاں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں' سیرت کے جلسے ہوتے ہیں' حضور ﷺ کے مناقب بیان کئے جاتے ہیں' حضور ﷺ کی فضیلتیں بیان ہوتی ہیں' آپؐ کے گیسوؤں کی بات ہوتی ہے' آپؐ کا سایہ تھا یا نہیں تھا' اس کی باتیں ہوتی ہیں' حالانکہ یہ سب باتیں غیر متعلقہ ہیں' جبکہ اصل سیرت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد خالص انسانی سطح (Human Level) پر کی ہے اور اس میں معجزات کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ ﷺ نے تکلیفیں جھیل کر' مصائب برداشت کر کے' فاقے جھیل کر' زخم جھیل کر' اپنا خون زمین پر گرتا ہوا دیکھ کر' اپنے ۲۵۹ جان نثاروں کی لاشیں دیکھ کر اور خاک و خون سے گزر کر یہ کام کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بس دعا مانگی اور بیڑا پار ہو گیا۔ تین برس کی شعب بنی ہاشم کے اندر نظر بندی کو یاد کیجئے۔ یہاں کی جیل میں کھانے کو تو ملتا ہے' وہاں کھانے کی بھی پابندی تھی۔ اس دوران ایسا وقت بھی آیا کہ بنو ہاشم کے پھول جیسے بچے بھوک سے بلکتے تھے اور اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ سوکھا چمڑا ابال کر اس کا پانی ان کے حلق کے اندر ٹپکا دیا جائے۔

اور طائف میں جو نقشہ پیش آیا ہے ع

رسوا سرِ بازارے آں شوخ ستم گارے

اور ۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے' سو گزری
تنہا پسِ زنداں' کبھی رسوا سرِ بازار!

طائف پہنچ کر آپ نے وہاں کے تینوں بڑے سرداروں سے گفتگو کی۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایسے چبھنے والے جملے کہے جو کلیجے کو چیر دیتے ہیں۔ اور پھر آوارہ لڑکوں کو اشارہ کیا کہ ذرا ان کی خبر لو' یہ نبی بنے پھرتے ہیں' نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور وہ پتھراؤ شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ صرف ایک جاں نثار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ سامنے سے آ کر روک بنتے ہیں' ڈھال بنتے ہیں تو پیچھے سے پتھر آ رہے ہیں۔ وہ پیچھے کی طرف جاتے ہیں تو سامنے سے پتھر آتے ہیں۔ جسم اطہر لہولہان ہو گیا ہے۔ جسم کا خون بہہ بہہ کر جا کر جوتیوں میں جم گیا ہے۔ غشی طاری ہوئی ہے' آپؐ تھک کر بیٹھ گئے ہیں تو دو غنڈے آئے ہیں۔ ایک نے ایک بغل میں ہاتھ ڈالا' دوسرے نے دوسری بغل میں ہاتھ ڈالا کہ اٹھو جاؤ۔ محمد عربیؐ ہیں' سیّد المرسلین ہیں' محبوب ربّ العالمین' سیّد الاوّلین والآخرین ہیں اور یہ نقشہ ہے۔ یہ ہے سیرت' جسے کوئی بیان نہیں کرتا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی گہرائیوں سے جو دعا نکلی ہے' واقعہ یہ ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ جب وہاں سے نکل کر باہر آئے اور ایک باغ میں تھوڑی سی دیر کے لئے ستانے کو بیٹھ گئے تو وہاں اب آپؐ نے مناجات کی ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ)) ''اے اللہ! تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں اپنے وسائل اور طاقت کی کمی کی' اور لوگوں کے سامنے جو رسوائی ہو رہی ہے اس کی''۔ کہاں جاؤں' کس سے فریاد کروں؟ تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں' ((اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ ؟)) ''تو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟'' ((اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟)) ''کیا دشمن کے حوالے مجھے کر دیا ہے کہ جو چاہے کر گزرے؟'' ذرا اندازہ کیجئے! یہ الفاظ کہاں سے نکل رہے ہیں۔ لیکن پھر یہ فریاد جو ہے اس کا ٹرن کیا ہے! ((اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ

فَلَا اُبَالِیْ)) ''پروردگار! اگر تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے''۔ ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!

یہ میں نے سیرت کا ایک نقشہ دکھایا ہے۔ وحی کے آغاز کے بعد سے حضور ﷺ کی ۲۳ برس کی زندگی دن رات کی مشقت اور محنت سے عبارت ہے۔ جو نکتہ سمجھنے کا ہے' وہ کیا ہے! اس جدوجہد میں معجزات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ حضور ﷺ کا اصل معجزہ قرآن مجید ہے۔ قرآن کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ کفارِ قریش کہتے تھے کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ملے' جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے ملے ایسا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اللہ کا فیصلہ تھا کہ نہیں دکھائیں گے' ہمارا معجزہ قرآن ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزوں کو دیکھ کر کون ایمان لے آیا تھا؟ کیا فرعون نے مان لیا تھا؟ کیا یہودی حضرت عیسیٰؑ کے معجزے دیکھ کر ایمان لے آئے تھے؟ جن سے بڑے حسی معجزے ممکن ہی نہیں ہیں۔ مُردے سے کہا جائے ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ'' اور وہ کھڑا ہو جائے' چلنا شروع کر دے' یا یہ کہ گارے سے ایک پرندے کی شکل بنائی' اس میں پھونک ماری اور وہ اڑتا ہوا پرندہ ہو گیا۔ احیائے موتی اور تخلیق حیات سے آگے کوئی شے ہے؟ باقی یہ کہ جو مادر زاد اندھا تھا اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی آ گئی' یہ تو نسبتاً چھوٹی چیزیں ہیں۔ تو کیا مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے؟ نہیں' بلکہ لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے اور جادو کفر ہے' لہٰذا کافر ہو گیا' مرتد ہو گیا' واجب القتل ہے' اس کو سولی چڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں طے کیا کہ اب معجزے نہیں دکھائے جائیں گے۔ کوئی ہدایت کا طالب ہے تو قرآن موجود ہے' جو سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اور کوئی ہدایت کا طالب نہیں ہے تو بڑے سے بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے گا۔

خاص طور پر یہ بھی نوٹ کیجئے کہ جب بنی اسرائیل کو صحرا میں بھوک لگی تھی اور کھانے کو کچھ نہیں تھا تو منّ و سلویٰ نازل ہوئے تھے یا نہیں؟ لیکن یہاں جیش العسرہ' سفر تبوک کے دوران بھوک کا یہ عالم اور رسد کی کمی کا یہ حال کہ تین تین مجاہدین کو چوبیس

گھنٹوں کا راشن ایک کھجور دی گئی۔ پہلے ایک شخص نے اسے مُنہ میں رکھا اور چوس لیا' پھر دوسرے کو دے دیا' اس نے چوس لیا' پھر تیسرے کو دے دیا۔ اس سے تینوں کو کچھ گلوکوز مل گئی' کچھ انرجی حاصل ہوگئی۔ بتایئے! من وسلویٰ کیوں نازل نہیں ہوا؟ کیا بنی اسرائیل اللہ کو زیادہ محبوب تھے حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں سے؟ کیا موسیٰؑ زیادہ عزیز تھے محمد رسول اللہ ﷺ سے؟ غزوۂ خندق کے اندر صحابہ کرامؓ کی حالت یہ تھی کہ کئی کئی وقت کا فاقہ ہے' کمریں دوہری ہوئی جارہی ہیں تو کمر سے پتھر باندھ لئے ہیں۔ پیٹ کے اوپر پتھر رکھا اور چادر سے کس لیا تاکہ کمر سیدھی رہے۔ پھر صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر فریاد کی کہ حضور ﷺ! اب یہ فاقہ کشی ناقابل برداشت ہورہی ہے' دیکھئے ہم نے یہ پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ اپنا کرتہ مُبارک اٹھا کر دکھاتے ہیں' وہاں دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ یہ سارے نقشے سیرت کے ہیں' لیکن ہمارے ہاں سیرت کے جلسے ہوتے ہیں تو ان کا موضوع کیا ہوتا ہے۔

حسن یوسف' دمِ عیسیٰ' یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

یعنی اے محمدؐ! تمام انبیاء کو جو خوبیاں دی گئیں وہ ساری کی ساری تنہا آپؐ کو دے دی گئیں۔ یوسف علیہ السلام بہت حسین تھے' ان سے بڑھ کر حسن حضرت محمد ﷺ کو عطا کر دیا گیا' دم عیسیٰ اور ید بیضا جیسے معجزات آپ کو عطا کر دیئے گئے! —— لیکن حضور ﷺ کی یہ حدیث آپ کو کوئی نہیں سنائے گا کہ "تمام نبیوں پر جو تکالیف آئی ہیں' میں نے تنہا وہ ساری جھیلی ہیں"۔ بہرحال اس پوری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا یہ معجزوں سے نہیں ہوا' یہ دعاؤں سے نہیں ہوا۔ یقیناً دعائیں بھی ہوئی ہیں' اس میں کوئی شک نہیں' اللہ کی مدد بھی آئی ہے' مثلاً غزوۂ بدر میں اللہ کی مدد آئی ہے اور مدد کا دروازہ آج بھی بند نہیں ہے۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

مدد تو اب بھی آئے گی۔ معجزہ صرف نبیوں کے لئے ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کے لئے بھی بعض معجزے ہیں۔ بعض مواقع پر تھوڑا سا کھانا بہت سے لوگوں کے لئے کفایت کر گیا۔ ایسی کرامات کی نوعیت کی چیزیں ہوئی ہیں۔ لیکن ایسے معجزات نہیں آئے جیسے ہم بنی اسرائیل کے معاملے میں دیکھتے ہیں کہ دھوپ پریشان کر رہی ہے تو ساتھ کے ساتھ بادل چل رہا ہے ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ یہ بنی اسرائیل کے لئے ہوا ہے۔ چھ لاکھ تھے بنی اسرائیل جو مصر سے نکلے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ قافلہ جب چلتا ہوگا تو کتنا بڑا ایریا ہوتا ہوگا' اور اس کے اوپر سائبان کی طرح مسلسل ابر ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ یہاں تو نہیں ہوا! یہاں جو کچھ ہوا ہے' زمین پر قدم بقدم چل کر ہوا ہے' عام انسانی سطح پر ہوا ہے' محنت سے ہوا ہے' مشقت سے ہوا ہے' تکلیفیں جھیل کر ہوا ہے' مصائب برداشت کر کے ہوا ہے' آزمائشوں سے گزر کر ہوا ہے' امتحانات سے گزر کر ہوا ہے۔ حضور ﷺ کا اپنا خون دو مرتبہ گرا ہے۔ ویسے تو یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی اپنی خواہش یہ تھی کہ:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ' لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ)) (صحیح البخاری)

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میری شدید خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔''

لیکن اللہ کے رسول قتل نہیں ہو سکتے۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ ایک فرق یہ نوٹ کر لیجئے کہ نبی قتل ہو سکتا ہے لیکن رسول قتل نہیں ہو سکتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف نبی تھے' قتل ہو گئے' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف نبی نہیں تھے' رسول بھی تھے ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ لہٰذا وہ قتل نہیں ہو سکتے تھے'

وہ سولی نہیں چڑھائے جا سکتے تھے' انہیں زندہ آسمان پر اٹھایا گیا' اور وہ دوبارہ آئیں گے۔ بہرحال یہ ہے میرے نزدیک تکمیل رسالت کا دوسرا مظہر۔

معراجِ انسانیت کا مظہر اَتم

تکمیل رسالت کے دوسرے مظہر کے لئے میں نے یہ عنوان مزید قائم کیا ہے۔ دیکھئے اللہ نے انسان کو پیدا کیا' آدمؑ کو پیدا کیا' خلیفۃ اللہ بنایا' مسجود ملائک بنا دیا' تمام فرشتے ان کے سامنے جھکا دیئے۔ قرآن حکیم میں ایک سے زائد مقامات پر یہ الفاظ ہیں: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾ تین تین معنی میں۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ ''تمام فرشتوں نے سجدہ کیا''۔ كُلُّهُمْ ''سب نے کیا''۔ اَجْمَعُوْنَ ''سب نے مل کر کیا''۔ لیکن اس انسان کے اندر اللہ نے کیا کیا قوتیں رکھی ہیں' اس کا صحیح مظہر جو ہے وہ شخصیت محمدیؐ ہے۔ انسانیت کی عظمت کو دیکھنا ہو' اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ محمد عربی ﷺ ہیں۔ علامہ اقبال نے غالب کے بارے میں ایک شعر کہا تھا:

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا!

اے غالب! تیری شخصیت اور تیرے اشعار سے انسان کی سوچ پر یہ بات کھلی کہ انسان کا تخیل کہاں تک جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے کتنی طاقت رکھی ہے۔ لہٰذا معراج انسانیت کا ظہور اور اس کا مظہر اتم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تکمیل رسالت کا منطقی نتیجہ......اور اُمت کی ذمہ داری

تکمیل رسالت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے رسول آئے وہ کسی قوم کے لئے' کسی علاقے کے لئے یا کسی شہر کے لئے آئے' پوری نوعِ انسانی کے لئے کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ محمد عربی ﷺ اللہ کے واحد رسول ہیں جن کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے

بارے میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّا اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ﴾ ''ہم نے نوح کو بھیجا اس کی قوم کی طرف''۔ حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں صراحت ہے کہ آپؑ قومِ عاد کے لئے بھیجے گئے ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمۡ ھُوۡدًا﴾ حضرت صالح علیہ السلام قومِ ثمود کی طرف بھیجے گئے ﴿وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاھُمۡ صٰلِحًا﴾ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام قومِ مدین کی طرف بھیجے گئے ﴿وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا﴾ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے اس وقت پوری دنیا میں ہیں اور ساری نسلوں کے لوگ ہیں۔ مشرق بعید میں چلے جایئے' عیسائیت موجود ہے۔ تاریک براعظم افریقہ کے گھنے ترین جنگلات میں کانگو کے تاس میں پہنچ جایئے' وہاں آپ کو عیسائی مل جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائی مشنریز نے تبلیغ کے ضمن میں بہت کارنامے کئے ہیں اور عیسائیت کو جہاں جہاں پہنچایا ہے' عام انسانوں کا وہاں پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ آپ کے ملک میں جیکب آباد میں عیسائی مشن قائم ہیں۔ وہاں اتنی شدید گرمی ہے کہ ہم بھی وہاں پر جاتے ہوئے گھبراتے ہیں' لیکن وہاں انہوں نے اپنے مشن قائم کئے۔ تو اس سے شک ہوتا ہے کہ شاید حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہو' لیکن اس نکتے کو سمجھ لیجئے کہ عقلی اور منطقی اعتبار سے اور منصوص اور منقول ہونے کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔

قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں کہا گیا: ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ''وہ رسول تھے بنی اسرائیل کی طرف''۔ قرآن کی اس نص قطعی کے علاوہ خود انجیل میں موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں''۔ پھر جب آپ نے اپنے بارہ حواریوں کو بھیجا ہے کہ جاؤ' اب جو چیز تمہیں مجھ سے ملی ہے اسے تقسیم کرو' لوگوں میں پہنچاؤ' تبلیغ کرو' تو ساتھ ہی فرما دیا کہ تمہیں Gentiles میں تبلیغ نہیں کرنی ہے۔ یہ Goyems اور Gentiles یہود کی اصطلاحیں ہیں۔ یہودی سمجھتے ہیں کہ دراصل انسان تو صرف

ہم یہودی ہیں' باقی جو مختلف نسلوں کے انسان ہیں' یہ انسان نما حیوان ہیں۔ ان کی شکلیں انسانوں کی سی ہیں' حقیقت میں یہ حیوان ہیں۔ اور ان کے لئے یہودی Goyems اور Gentiles کی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ اور انجیل میں موجود ہے کہ Gentiles کو تبلیغ کرنے سے حضرت مسیحؑ نے روکا۔ بلکہ انجیل میں جو الفاظ ہیں وہ تو میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کے الفاظ نہیں ہو سکتے' اس میں یقیناً کسی اور نے نمک مرچ ملا دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں کہ ''کوئی شخص بھی اپنے بچوں کے حصے کی روٹی کتے کے آگے نہیں ڈالتا۔''

بہر حال یہ بات قرآن سے بھی ثابت ہے اور انجیل سے بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ یہ تو اصل میں سینٹ پال تھا' جس نے حضرت مسیحؑ کے دین کو ختم کر دیا اور مسیحیت کے نام پر اپنا خود ساختہ مذہب دنیا میں پھیلا دیا' جیسے ہمارے ہاں عبداللہ بن سبا یہودی' اسلام کا شدید دشمن' ایک موقع پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آ گیا اور اس نے مسلمانوں کے اندر رخنہ پیدا کیا' بنواُمیہ اور بنو ہاشم کی پرانی چپقلش کو زندہ کیا اور کہا کہ اللہ کے رسولؐ کے وصی تو علی ہیں' خلافت ان کا حق ہے' یہ عثمان جو بیٹھا ہے یہ غاصب ہے' اور اس سے پہلے ابوبکر اور عمر بھی غاصب تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین' نقل کفر' کفر نباشد) بہر حال اسی کے پھیلائے ہوئے فتنے کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ پھر ساڑھے چار برس تک مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے دوران ساڑھے چار سال میں ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں اور نیزوں سے ختم ہوئے۔ تو وہ جو اسلامی فتوحات کا سیلاب پوری طرح دنیا پر چھا رہا تھا' جس کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں ؏

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا!

وہ سیل رواں تھم گیا۔ اسلام کی جو پیش قدمی دائیں اور بائیں دونوں طرف ہو رہی تھی وہ رک گئی۔ ورنہ اُسی وقت پوری دنیا میں اللہ کے دین کا بول بالا ہو چکا ہوتا۔

اسی طرح نام نہاد سینٹ پال کا معاملہ تھا۔ جب تک حضرت مسیحؑ دنیا میں موجود رہے وہ آپؑ کا شدید ترین مخالف رہا۔ جب حضرت مسیحؑ کو اللہ نے اٹھا لیا تو اب وہ منافقت کا لبادہ اوڑھ کر آ گیا کہ مجھے مکاشفہ ہوا ہے، مسیحؑ سے ملاقات ہوئی ہے اور اب میں مسیحؑ پر ایمان لے آیا ہوں اور مسیح نے مجھے یہ حکم دیا ہے، یہ مقام عطا کیا ہے، پھر وہ ان کا سب سے بڑا لیڈر بن گیا۔ اور اس نے مسیحیت میں وہ تبدیلیاں کی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے دین کو یکسر ختم کر دیا۔ عبداللہ بن سبا بھی ہمارے دین کو ختم کر دینا چاہتا تھا، لیکن یہ آخری دین تھا، اللہ نے اس کی حفاظت کی ہے۔ جبکہ سینٹ پال نے تو فی الواقع حضرت مسیحؑ کے دین کو ختم کر دیا۔ سب سے بڑا کام یہ کیا کہ توحید کو تثلیث سے بدل دیا۔ حضرت مسیحؑ کے کسی قول کے اندر تثلیث موجود نہیں ہے۔ آپ چاروں اناجیل پڑھ جائیے، اگرچہ یہ تحریف شدہ اناجیل ہیں پھر بھی کہیں بھی آپ کو تثلیث کا جملہ نہیں ملے گا۔ یہ سینٹ پال کی ایجاد ہے۔ دوسرے یہ کہ شریعت کو ساقط کر دیا۔ حضرت مسیحؑ یہ کہہ کر گئے تھے کہ جو موسیٰؑ کی شریعت ہے وہ تم پر بھی نافذ رہے گی۔ لیکن اس نے شریعت موسوی کو ساقط کر دیا۔ تیسرے یہ کہ مسیحیت کی تبلیغ کا دائرہ Gentiles یعنی غیر اسرائیلوں کے اندر وسیع کر دیا، ورنہ از روئے قرآن اور از روئے انجیل، حضرت مسیحؑ کے اپنے قول کے مطابق آنجنابؑ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری رسول ہیں جن کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں پانچ مرتبہ، مختلف الفاظ میں، آیا ہے۔ سب سے واضح انداز میں سورۂ سبا میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ﴾ (آیت ۲۸) ’’(اے محمدؐ!) ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر‘‘۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوا: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ (آیت ۱۰۷) ’’ہم نے آپؐ کو (کسی ایک قوم یا کسی ایک علاقے کے لئے نہیں بلکہ) تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے‘‘۔ نبوت و رسالت ہمیشہ سے رحمت ہے، مگر آپؐ پر آ کر یہ

رحمت ''رحمۃ للعالمین'' بن گئی ہے' یہ تکمیل رسالت کا ایک مظہر ہے۔اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۸ میں خود نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ کہلوایا گیا: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ ''(اے محمدؐ! ڈنکے کی چوٹ) کہہ دو: اے لوگو! (اے بنی نوعِ آدم!) میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔

تکمیل رسالت کا تشنۂ تکمیل مظہر

اب دیکھئے' مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات! ختم رسالت کا یہ پہلو اور یہ مظہر تا حال تشنۂ تکمیل ہے۔آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے! اللہ نے بھیجا حضرت محمد ﷺ کو غلبہ دین کے لئے ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ تا کہ دینِ حق کو غالب کر دیں تمام ادیان پر۔اور بھیجا پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ان دونوں باتوں کو جوڑ یئے' صغریٰ کبریٰ ملا دیجئے تو بعثت محمدیؐ کا مقصد یعنی تکمیل رسالت کا آخری مرحلہ وہ ہوگا کہ جب کل نوعِ انسانی پر اللہ کا دین غالب آ جائے۔علامہ اقبال نے ''جوابِ شکوہ'' میں بڑی پیاری بات کہی ہے:

وقت فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے!
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!!

یہ کام ابھی نہیں ہوا۔ پوری نوعِ انسانی تک تو یہ دین نہیں پہنچا۔ پوری نوعِ انسانیت پر اللہ کے دین کا غلبہ نہیں ہوا۔لیکن نوٹ کر لیجئے کہ یہ ہو کر رہنا ہے۔''نویدِ خلافت'' نامی کتابچے میں وہ احادیث درج ہیں جن میں حضور ﷺ نے یہ خبریں دی ہیں۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے زمانے سے لے کر تا قیامِ قیامت پانچ ادوار گنوا دیئے ہیں: (۱) دورِ نبوت۔ (۲) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' یعنی خلافت راشدہ۔ (۳) ظالمانہ ملوکیت (۴) غلامی والی ملوکیت۔(۵) پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔اس وقت نوعِ انسانی اس پانچویں دَور کی دہلیز تک پہنچی ہوئی ہے' گویا یہ دَور آیا چاہتا ہے' زیادہ دُور نہیں ہے۔''نوید خلافت'' نامی کتابچہ ہم نے لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے۔موجودہ ماحول میں اسلام اور مسلمانوں کے جو حالات ہیں' ان سے بڑی مایوسی

ہوتی ہے اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ۔

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے

کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!

اس نا اُمیدی کے چکر سے نکلنے اور ''دامانِ خیالِ یار'' کو مضبوطی سے تھامنے کے لئے ان احادیث کو حرزِ جان بنائیں' انہیں پڑھیں' یاد کریں' انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ اپنے طور پر اس کتابچے کو چھاپیں اور تقسیم کریں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا' وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا)) (صحیح مسلم)

''اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کل زمین کو لپیٹ دیا (یا سکیڑ دیا) تو میں نے اس کے تمام مشرق اور تمام مغرب دیکھ لئے۔ اور سن رکھو! میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو زمین کو سکیڑ کر اور لپیٹ کر مجھے دکھا دیئے گئے۔''

کوئی شک ہے؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا ختم ہو جائے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر تکمیل رسالت کا یہ مظہر پورا نہ ہو کہ کل روئے ارضی پر حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین' دین الحق اسی طرح غالب ہو جائے جیسے آپؐ کے دست مبارک سے جزیرہ نمائے عرب میں ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ﴾ کی شان سے غالب ہوا تھا۔ اس کے لئے آپؐ نے تکلیفیں جھیلیں' مصیبتیں برداشت کیں' قربانیاں دیں' سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک ایک صحابی کی جان' ہم جیسے لاکھوں کی جانوں سے بڑھ کر قیمتی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی جان کی قیمت کا ہم کیا اندازہ لگائیں گے! یہ جانیں دی گئی ہیں تب دین غالب ہوا۔ اور اسے پوری دنیا پر غالب ہونا ہے' ورنہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر تکمیل رسالت کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیسے ممکن ہے کہ دنیا ختم ہو جائے اور حضور ﷺ پر تکمیل رسالت کا یہ تقاضا کہ کل روئے ارضی پر آپؐ کا لایا ہوا دین نافذ ہونا ہے' پورا نہ ہو!

ایک اور حدیث جو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ ......)) (مسند احمد)

''اس روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ ہی کمبلوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ بچے گا جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے۔''

یہ ہو کر رہے گا۔ اور اسی وقت واقعتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور ختم رسالت بمعنی تکمیل نبوت و تکمیل رسالت کا بتمام و کمال ظہور ہو گا۔ علامہ اقبال نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مضامین کو بھی اپنے اشعار میں پیش کیا ہے' جیسے کہ اپنے بے شمار اشعار کے اندر قرآن مجید سے استشہاد کیا ہے۔ چنانچہ اس آنے والے دَور کے بارے میں کہتے ہیں۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!!

دیکھئے یہ کام پہلے جب ہوا تھا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جزیرہ نمائے عرب میں دین کا غلبہ ہو گیا۔ پھر آپؐ کے بعد اس کی توسیع ہوئی۔ اسلامی افواج مشرق و مغرب میں نکل کھڑی ہوئیں۔ مشرق میں عراق سے ہو کر ایران پہنچیں اور پھر یہ پورا ملک جو اُس زمانے کا خراسان تھا' فتح ہوا اور پھر چین تک بات پہنچ گئی۔ مغرب میں

اسلامی افواج شام اور سینائی Peninsula کو فتح کرتے ہوئے مصر اور لیبیا جا پہنچیں اور ہوتے ہوتے بحر اوقیانوس تک بات پہنچ گئی۔ کہاں سے کہاں تک! از کجا تا بہ کجا! وہ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا سبائی فتنے نے اندرونی خلفشار پیدا کیا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا جس سے ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ جیسے کسی اونچائی پر ٹرک چڑھ رہا ہو اور کہیں موشن ٹوٹ جائے تو اس کے بعد مزید چڑھائی چڑھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ صورت کہ ع ''تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!'' یکسر تبدیل ہوگئی' ہمارا وہ سیلِ رواں تھم گیا اور reversal شروع ہوگیا۔ اب بھی یہی ہوگا کہ کسی ایک خطے میں اللہ کا وہ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایسا ہونا ہے' یہ یقینی ہے' اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ کب ہوگا؟ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کتنی قربانیاں دے کر ہوگا' یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ ابھی کتنے نشیب و فراز آئیں گے' ہم نہیں کہہ سکتے۔ میرے مشاہدے میں کچھ اشارات ہیں کہ اب غلبہ اسلام کا آغاز پاکستان اور اس سے ملحق سرزمین افغانستان سے ہوگا۔ اگرچہ موجودہ حالات بڑے تباہ کن ہیں' افسوس ناک ہیں' افغانستان میں طالبان کی قائم کردہ اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے' جہادِ کشمیر پر ریورس گیئر لگ چکا ہے۔ اللہ نہ کرے' لیکن بش صاحب نے اپنی سیکرٹ ایجنسیوں کو ایسی تیاریاں مکمل کرنے کا حکم دے دیا ہے کہ اگر ذرا سا بھی اندیشہ ہو کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں تک بنیاد پرستوں کی رسائی ہو سکتی ہے' تو اُن پر فوراً قبضہ کر لیا جائے۔ سود کے خاتمے کے بارے میں ہمارے یہاں جو پیش رفت ہوئی تھی' اب اس پر بھی ریورس گیئر لگ گیا ہے اور اس ضمن میں ربع صدی کی مساعی پر خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا ہے۔ تو حالات بڑے نامساعد اور ناموافق ہیں۔ لیکن ؎

اور بھی دَورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے

اور ع جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرفِ محرمانہ!

ظاہر بات ہے کہ کوئی بھی حالات ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتے۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اسی خطہ ارض سے غلبہ اسلام کا آغاز ہوگا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چار پانچ سو سال سے اس کی تمہید کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں پاکستان سے کوئی بڑا کام لینا مقصود ہے۔

پس چہ باید کرد؟

ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اللہ کے دین کے غلبے اور اس کی اقامت کے لئے کمر کس لے۔ دنیا میں کیا ہوتا ہے' کیا نہیں ہوتا' یہ میرے اور آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر سکتا ہوں اس کے بارے میں جواب دہ ہوں' آپ جو کچھ کر سکتے ہیں' جو بھی آپ کے اختیار میں ہے اس کے لئے آپ عند اللہ مسئول ہیں' ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت محمد رسول اللہ ﷺ کی وفاداری کے ساتھ مشروط ہے۔ ع کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں! چنانچہ جن کو محمد ﷺ کے ساتھ وفا کا دعویٰ ہے وہ اپنے سر پر کفن باندھ کر اور یہ عہد کر کے کہ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''یقیناً میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور مرنا اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے'' اللہ کے دین کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ تکمیل رسالتِ محمدیؐ کا آخری مرحلہ ابھی باقی ہے' جس کی خبر دی ہے اللہ کے رسولؐ نے کہ یہ ہونا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعثتِ محمدی کا تقاضا بتمام و کمال پورا نہ ہو اور دنیا ختم ہو جائے!

دنیا کے خاتمے سے پہلے کل چہار دانگ عالم پر' کل عالمِ انسانیت پر اللہ کا دین نافذ ہوگا۔ اسی کام کے لئے پاکستان قائم کیا گیا تھا۔ ہم نے اللہ سے پکار پکار کر' چیخ چیخ کر دعائیں کی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے' ہم تیرے نبی کے دین کا بول بالا کریں گے' پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنائیں گے۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات

کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اور اسی لئے ہمیں معجزے کے طور پر یہ ملک ملا تھا، لیکن افسوس، صد افسوس! اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی، ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی، ۵۵ برس گزر گئے لیکن اسلام یہاں نہیں آیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ نے پہلے ۲۵ برس ہمیں مہلت دی تھی۔ جب ہم نے اسلام نافذ نہیں کیا تو اللہ نے عذاب کا ایک کوڑا ہماری پیٹھ پر برسایا۔ ہندوستان کے ہاتھوں ۱۹۷۱ء کی شکست عظیم یاد ہے؟ ہمارے ۹۳ ہزار فوجی اس ہندو کے ہاتھوں جنگی قیدی بنے جس پر ہم نے کہیں ہزار برس حکومت کی تھی، کہیں چھ سو برس اور کہیں آٹھ سو برس۔ اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ ہم نے دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ:

"We have avenged our thousand years defeat"

کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔

غور کیجئے کہ اللہ کے عذاب کا یہ کوڑا کیوں پڑا؟ اس لئے کہ ہم نے اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی کی، اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی کی اور اللہ کے دین کو نافذ نہیں کیا۔ اور اب جو حالات ہیں وہ انتہائی تشویشناک ہیں۔ ہم امریکہ کے ہاں گروی رکھے جا چکے ہیں، ہمارے Bases اس کے کنٹرول میں ہیں۔ ایف بی آئی، سی آئی اے اور موساد پاکستان میں موجود ہے۔ ہمارے ایئر پورٹس پر ان کے معین حصے ہیں، ہماری خود مختاری گویا کہ گروی رکھ دی گئی ہے۔ دوسری طرف بھارت کی دھمکی آمیز روش اور اس کی رعونت کو دیکھئے کہ کتنے بڑے پیمانے پر اس نے ہماری سرحدوں پر فوجیں لا کھڑی کی ہیں اور ہم اس سے معذرت کر رہے ہیں کہ در اندازی بالکل بند ہو چکی ہے۔ حالانکہ پہلے ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو مجاہدین آزادی ہیں، آزادی کی جدوجہد اُن کا حق ہے، لیکن اب ہمیں اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑا ہے۔ یہ حالات ہیں جس میں اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ کے عذاب کا بڑا کوڑا ہماری پیٹھ پر نہ برس جائے۔ آپ میں سے بہت سے لوگوں کے علم میں ہوگا کہ آج سے کوئی سال بھر پہلے امریکہ کے ایک بہت بڑے تھنک ٹینک کی طرف سے یہ بات آ چکی ہے کہ ۲۰۲۰ء میں پاکستان کے نام سے کوئی ملک دنیا میں

موجود نہیں ہوگا۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو! اللہ تعالیٰ ان کے عزائم کو خاک میں ملانے پر قادر ہے' لیکن اگر ہمارے چلن یہی رہے تو شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لے۔ ہم نے موٹروے بنالی' ہم نے بڑے بڑے محل بنا لئے۔ کراچی' لاہور اور پشاور کی ڈیفنس سوسائٹیاں ذرا جا کر دیکھئے کہ کیسے کیسے محلات تعمیر کئے گئے ہیں۔ اسلام آباد کے بنگلے دیکھئے کہ دو دو' تین تین کروڑ کا ایک ایک بنگلہ ہے' لیکن ہم اسلام نافذ نہیں کر سکے۔ یہ جرم ہمارا ایسا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس پر اللہ آخری سزا دے دے اور ہوسکتا ہے کہ ابھی کچھ مہلت باقی ہو۔ بہر حال ایک بات محاورے کے طور پر کہی جاتی ہے کہ ''جب تک سانس تب تک آس''۔ جب تک اللہ نے مہلت دے رکھی ہے کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ کرنا کیا ہے' یہ جان لیجئے!

میرے اب تک کے بیان سے بھی یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ اسلامی نظام کا قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ محمد عربی ﷺ کو بھی اس راہ میں اپنے دندان مبارک شہید کروانے پڑے' اپنے خون کا فوارہ چھڑوانا پڑا' اور ۲۵۹ صحابہ کی جانوں کا نذرانہ دینا پڑا جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آج بھی یہ کام آسان نہیں ہے۔ ع لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا! آج اسلام کے نفاذ کے لئے ہماری تنظیم اسلامی کا جو طریقہ کار ہے' وہ میں اب آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

(۱) پہلا مرحلہ یہ ہے کہ خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں اسلام نافذ کیا جائے۔ سب سے مشکل کام یہی ہے۔ ع منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں! ہمارے عوام کی عمومی روش یہ ہے کہ ہم سے نعرے لگوالو' چندے لے لو' جلوس نکلوالو' جلسے کروالو' لیکن ہماری زندگی کا جو نقشہ ہے وہ نہیں بدلے گا۔ اگر سودی کاروبار ہے تو وہ جاری رہے گا' اگر سودی قرضہ لے کر محل بنایا ہے تو وہ باقی رہے گا' اگر گھر میں شرعی پردہ نہیں ہے تو نہیں آئے گا' تو اسلام کیسے آجائے گا؟ لہٰذا جس کا بھی ارادہ ہو' جسے بھی اللہ تعالیٰ آپ میں سے قبول فرمالے اسے پہلا فیصلہ یہ کرنا ہوگا کہ مجھے اپنی زندگی سے حرام کو نکال دینا ہے' فرائض و واجبات کی پابندی کرنی ہے اور ارکان دین کی بجا آوری تمام شرائط کے

ساتھ کرنی ہے۔ اور پھر یہ کہ اپنے وجود پر اور اپنے گھر پر شریعت کا مکمل نفاذ کرنا ہے۔

(۲) شریعت پر کاربند ہونے کا عزم کر لینے والے پھر مل جل کر ایک طاقت بنیں ۔ ایک اکیلا دو گیارہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ((یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ)) یعنی اللہ کی تائید اور اللہ کی نصرت جماعت کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تو یہاں تک ہے: ((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ)) جماعت کے بغیر کوئی اسلام نہیں ہے۔ چنانچہ جماعت کی شکل اختیار کرنا ضروری ہے ۔ اسی لئے ہم نے تنظیم اسلامی بنائی۔ ہمارا سیاست کا کھیل کھیلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں تو اپنی زندگی کے دس سال جماعت اسلامی کی تحریک کی نذر کر کے پھر وہاں سے نکلا تھا' اور اسی بنیاد پر نکلا تھا کہ آپ نے جو الیکشن کا راستہ اختیار کیا ہے اس سے آپ عام معنی میں سیاسی جماعت بن گئے ہیں' اب آپ وہ انقلابی جماعت نہیں رہے جس میں مَیں نے شمولیت اختیار کی تھی۔ ہماری دعوت یہ ہے کہ ہماری جماعت میں آنے والے لوگ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں اللہ کے دین کو نافذ کریں' جو بڑا مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری رفتار بڑی کمزور ہے۔ لوگ نعرے لگانے کو تیار ہیں' کسی کو کافر کہلانا ہو تو نعرے لگا دیں گے' کسی کے خلاف کوئی مہم اٹھانی ہو تو اٹھا دیں گے' مگر خود اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو نہ بدلے۔ تو پہلا قدم اپنے آپ کو بدلنا اور دوسرا قدم مل جل کر جماعت بنانا ہے۔

دنیا میں جماعت سازی کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ ایک دستوری طریقہ ہے کہ اگر آپ کو کسی جماعت کا دستور منظور ہے تو آپ اس کے رکن بن گئے' پھر ارکان جو ہیں وہ صدر یا امیر کو ایک معین مدت دو سال' چار سال یا چھ سال کے لئے چنیں گے' پھر انتخاب ہو گا۔ پھر اس امیر یا صدر کے لئے شوریٰ یا مینیجنگ کمیٹی ہو گی۔ اس میں طے کیا جائے گا کہ کتنے اختیار امیر کے پاس ہیں اور کتنے شوریٰ یا مینیجنگ کمیٹی کے پاس ہیں۔ یہ طریقہ کار میرے نزدیک مباح ہے' جائز ہے' حلال ہے' حرام نہیں ہے' لیکن مسنون

نہیں ہے۔ جماعت سازی کا مسنون طریقہ بیعت پر مبنی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے بیعت علی الموت لی کہ اپنی جانیں دے دیں گے لیکن یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ غزوۂ احزاب میں خندق کھودی جارہی تھی تو کئی کئی وقتوں کے فاقے والے صحابہ کرامؓ جب پھاوڑے چلا رہے تھے تو ان کی زبان پر ایک شعر تھا' اور وہ آواز میں آواز ملا کر یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد کی بیعت کی ہے' اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے۔''

جب جان نکل جائے تو ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی' جب تک جسم میں جان ہے' یہ جہاد جاری رہے گا۔

اب آپ بیعت کے بارے میں یہ متفق علیہ روایت ملاحظہ کیجئے جس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث میں مذکور بیعت نو نکات پر مشتمل ہے اور اسی کو ہم نے تنظیم اسلامی میں اختیار کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ' فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ' وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا ' وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ ' وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا ' لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

''ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے اس پر کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے' چاہے مشکل ہو چاہے آسانی ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں چاہے ہمیں طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' چاہے دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دی جائے (ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہم آپ کے پرانے خادم تھے اور آپ نے ایک نو وارد کو ہمارے اوپر امیر کیوں بنا دیا؟ بلکہ یہ آپ کا اختیار ہوگا جسے

آپ چاہیں امیر بنائیں) جنہیں امیر مقرر کیا جائے گا ان سے جھگڑیں گے نہیں
(ان کی بھی اطاعت کریں گے) البتہ ہر موقع پر جو صحیح رائے ہوگی وہ ضرور پیش
کردیں گے' اللہ کے معاملے میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے
نہیں ڈریں گے۔"

یہ بیعت محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے لی تھی۔ ہم نے اس کو ایک لفظ (فی المعروف) کے اضافہ کے ساتھ اختیار کرلیا۔ اس لئے کہ امیر تنظیم اسلامی کی بیعت مطلق نہیں ہے' شریعت کے دائرے کے اندر اندر ہے۔ امیر تنظیم شریعت کے کسی حکم کے خلاف حکم نہیں دے سکتا۔ البتہ اس دائرے کے اندر اندر جو حکم دے گا وہ واجب التعمیل ہے۔

(۳) جو لوگ یہ بیعت کرلیں اور وہ اپنے گھر پر' اپنی ذات پر اللہ کا دین حتی المقدور نافذ کر چکے ہوں اب وہ یہی کام کریں کہ یہ دعوت لوگوں تک پہنچائیں...... زبان سے' کتابوں سے' رسالوں سے' ویڈیوز سے' آڈیوز سے' گفتگوؤں سے اور خطاباتِ عام سے یہ پیغام عام کردیں' تاکہ لوگ اس جماعت میں شامل ہوں' اور ان کی معتد بہ تعداد ہو جائے۔ پھر ان کی تربیت ہو۔ اور جب تک تعداد اتنی کافی نہ ہو جائے کہ پورے نظام کو چیلنج کیا جا سکے اس وقت تک یہی کام باللسان کرنا ہے' زبان سے نیکی کی بات کرنی ہے' زبان سے برائی سے روکنا ہے اور ساتھ ساتھ تربیت کا عمل جاری رکھنا ہے۔ اور جب طاقت کافی ہو جائے' منظم بھی ہوں' واقعتاً اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لئے تیار بھی ہوں' تو اب ہم چیلنج کریں گے کہ ہم یہ فلاں حرام کام یہاں نہیں ہونے دیں گے' یا ہم نہیں یا یہ نہیں! گھیراؤ کریں گے' پکٹنگ کریں گے' جلوس نکالیں گے' دھرنے ماریں گے' اپنے سینے کھول کر کہیں گے کہ چلاؤ ہم پر گولی!

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت! نہ کشور کشائی!

جو کام ایرانیوں نے کیا وہ یہاں کرنا ہوگا۔ انہوں نے بیس ہزار سے تیس ہزار کے درمیان جانیں دی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہنشاہ آریامہر کو جان بچا کر بھاگنا پڑا اور

آیت اللہ خمینی پیرس سے نازل ہو کر وہاں کا حکمران بن گیا۔ یہ تو ہماری زندگیوں میں ہوا ہے' کوئی بہت پرانا معاملہ نہیں ہے' ابھی اس کو رُبع صدی بھی نہیں ہوئی ہے۔ یہ کوئی ازمنہ قدیمہ کی تاریخ نہیں ہے۔

ہمارے ہاں غلطی یہ ہوئی کہ کچھ لوگوں نے سوچا کہ چلو الیکشن کا راستہ دیکھتے ہیں' ہمیں زیادہ ووٹ مل جائیں گے' حکومت ہماری ہو جائے گی تو ہم اسلامی نظام قائم کر دیں گے۔ لیکن یہ راہِ یسیر راہِ عسیر بن گئی ہے' یہ شارٹ کٹ longest کٹ بن گئی ہے۔ جماعت اسلامی نے ۱۹۵۱ء میں پہلی مرتبہ الیکشن میں حصہ لیا تھا' اب ۲۰۰۲ء میں لے رہے ہیں' لیکن ان ۵۱ برسوں کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ اور سوچئے' کیا آیت اللہ خمینی کی حکومت ایران میں الیکشن کے ذریعے قائم ہو سکتی تھی؟ قطعاً نہیں' ناممکن! اس اعتبار سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آیت اللہ خمینی کی پوری دعوت اور ان کے عقائد کی تائید کر رہا ہوں۔ نہیں' وہ شیعہ ہیں' ہمارا ان کا بڑا اختلاف ہے۔ لیکن یہ کہ انقلاب برپا کرنے کے لئے اس وقت دنیا میں آخری قدم الیکشن نہیں ہے۔ پھر یہ کہ کسی طرح کی دہشت گردی کر کے اور کسی چھاپہ مار جنگ سے بھی اسلام نہیں آئے گا۔ لوگوں نے یہ راستے اختیار کر کے دیکھ لئے ہیں' لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوئی' نہ الجزائر میں نہ مصر میں' حالانکہ بہت سے لوگوں نے جانیں دی ہیں اور خلوص کے ساتھ دی ہیں۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ انتقال اقتدار کے دو ہی راستے ہیں' بیلٹ یا بلٹ۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ تیسرا راستہ وہ ہے جو ایرانیوں نے دکھایا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ((اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ ' فَحَیْثُ وَجَدَھَا ھُوَ اَحَقُّ بِھَا)) یعنی حکمت کی بات' دانائی کی بات' عقل کی بات' سمجھ کی بات وہ تو مؤمن کی گمشدہ متاع کی مانند ہے' جہاں سے بھی مل جائے مؤمن اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ چنانچہ جہاں سے ملے لے لو۔ شیعہ حضرات نے تو پاکستان میں بھی اپنا مطالبہ منظور کروا کے دکھا دیا تھا۔ ضیاء الحق صاحب نے زکوٰۃ آرڈی نینس نافذ کیا تھا جس پر شیعہ بپھر گئے تھے کہ ہم حکومت کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اندازہ کیجئے کہ مارشل لاء کی حکومت تھی' اور مارشل

ابھی بوڑھا نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء آیا تھا اور ابھی ۱۹۸۰ء تھا۔ اس کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا' لیکن پچاس ہزار شیعوں نے اسلام آباد میں جمع ہو کر مرکزی سیکریٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا اور دھرنا مار کر بیٹھ گئے کہ ہمیں زکوٰۃ آرڈی نینس سے مستثنیٰ کیا جائے۔ چنانچہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ناک زمین پر رگڑی گئی اور اس نے یقین دہانی کرائی' تب وہ اٹھے۔ یہ طریقہ ہے کام کرنے کا۔ اگر گولی چلتی تو وہ جانیں دیتے۔ ایران میں گولیاں چلی ہیں اور مظاہرین نے جانیں دی ہیں۔ یہاں ضیاء الحق سمجھ دار آدمی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شیعوں کے ایسے ہجوم پر اگر گولی چلا دی گئی تو پاکستان میں طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ شیعہ آفیسرز آرمی میں بھی موجود ہیں' پولیس میں موجود ہیں' بیورو کریسی میں موجود ہیں' ذرائع ابلاغ میں موجود ہیں۔ کہاں نہیں ہیں! اس لئے اس نے اپنی ناک نیچی کر لی اور ان کا مطالبہ مان لیا۔ یہ طریقہ ہے آج کی دنیا میں مطالبات منوانے کا! لیکن جیسا کہ میں نے کہا' اس کے لئے وہ لوگ تیار ہو جائیں جو خود دین پر کاربند ہو چکے ہوں۔

اس وقت دنیا کے جو حالات ہیں ان میں عالم اسلام خصوصاً ہمارے ملک میں شدید مایوسی کی کیفیت ہے۔ اس مایوسی کے ازالے کے لئے ہمیں ان احادیث کی ضرورت ہے جن کا میں نے حوالہ دیا ہے کہ ان میں حضور ﷺ نے روشنی کی کرنیں دکھائی ہیں ــــــ چنانچہ نہ بش صاحب اترائیں' نہ شیرون اترائے۔ ایک زمانہ آئے گا کہ ایک ایک یہودی قتل ہوگا' اور عظیم تر اسرائیل بنانے کا جو یہ خواب دیکھ رہے ہیں' وہ ان کا عظیم تر قبرستان بنے گا۔ اس کی خبر دی ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے' اور یہ ہو کر رہے گا۔ ابھی حالات ذرا خراب ہیں' لیکن درحقیقت جتنے بھی حالات خراب ہیں' اتنے ہی اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ حالات آسان ہو جائیں تو نیکی کا وہ اجر و ثواب نہیں ہوتا جو مشکل حالات میں کی گئی نیکی کا اجر و ثواب ہوتا ہے۔ مشکل حالات تو اہل ہمت کی ہمت میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

ان حالات میں ہمارے لئے موقع ہے کہ ہم تن من دھن اللہ کی راہ میں لگائیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے عظیم سے عظیم تر اجر وثواب پائیں۔

یہ ہے تنظیم اسلامی کی دعوت جو میں نے پیش کردی ہے۔ میری گفتگو کا خلاصہ ایک مرتبہ پھر دیکھ لیجئے۔ ختم نبوت کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں' دوسرے یہ کہ حضور ﷺ پر نبوت ورسالت کی تکمیل ہوگئی۔ تکمیل نبوت کے دو مظہر: (۱) ہدایت خداوندی قرآن مجید میں مکمل ہوگئی اور اسے محفوظ کر دیا گیا۔ (۲) دین حق کامل کر دیا گیا اسلام کی شکل میں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ تکمیل رسالت کے دو مظہر: (۱) حضور ﷺ نے دین کو قائم کر کے دکھا دیا' وہ صرف نظری بات نہیں تھی' صرف کتاب میں لکھی ہوئی شے نہیں دی' بلکہ عملی نمونہ پیش کیا' حجت قائم کی۔ (۲) حضور ﷺ کی رسالت تمام دنیا کے لئے ہے۔ آفاقی اور گلوبل رسالت صرف حضرت محمد ﷺ کی ہے' نہ عیسیٰؑ کی تھی' نہ موسیٰؑ کی تھی اور نہ ابراہیمؑ کی تھی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔ لیکن اس آخری بات کے کچھ عملی تقاضے ہیں۔ اس وقت تو حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں ہم یہ کہہ سکیں کہ پورا اِسلام نافذ ہے اور دنیا کو دعوت دے سکیں کہ آؤ دیکھ لو' اپنی آنکھوں سے اسلام کی برکات کا مشاہدہ کرلو کہ یہ اسلام ہے۔ اور دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت کا جو گلوبل تقاضا ہے یعنی پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ' اس کے لئے محنت ومشقت اور جدوجہد جیسے صحابہ کرامؓ نے کی تھی ہمیں بھی کرنی ہوگی۔ صحابہ نے مشقتیں جھیلیں' مصیبتیں اٹھائیں' آزمائشوں میں سے گزرے' عملاً امتحانات کی بھٹیوں میں سے گزرے' تب یہ کام کیا ہے۔ اسی کے لئے ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ